یہ خلش کہاں سے ہوتی

علی شیدا

مختصر تعارف

نام : علی محمد ریشی

تخلص : شیدؔا

پیدائش : اول اکتوبر ۱۹۵۳ء

تعلیم وتربیت :

بی اے، گورنمنٹ ڈگری کالج اننت ناگ

ایم اے۔اقتصادیات۔کشمیر یونیورسٹی سرینگر

رہائش : نجدوَن، نپورہ، اننت ناگ کشمیر ۱۹۲۱۰۲

تصنیفات:۔

۱۔سونٛزل

۲۔کرٕہُن شین

۳۔رٕنٛزی آر

۴۔صَلِ علیٰ (نعت)

پیشہ : بینک سروس منیجر، جموں وکشمیر بینک لمیٹڈ

شغل : مطالعہ کتب ورسائل، شعروشاعری، اورادر
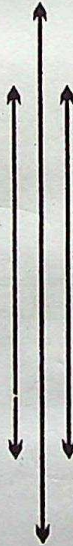
یہ خلش کہاں سے ہوتی

علی شیدا

نام کتاب	:	"یہ خلش کہاں سے ہوتی"
اشاعت اوّل	:	۲۰۰۲ء
ناشر	:	محمد محبوب العارفین
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	وسیم احمد
سرورق	:	
قیمت	:	دو سو پچاس روپے =/Rs. 250
تعداد	:	ایک ہزار

مصنف کا پتہ

Ali Shaida
Najid-wan
Nipora(Kulgam)
Islam Aabad (Kashmir) 192102
Phone :95132/31347

تقسیم کار:۔ پراگاش بک سینٹر

۵۱۔ سیکاپ روڈ۔ بج بہارا۔ کشمیر ۱۹۲۱۲۴

ملنے کا پتہ

- مکتبہ علم و ادب۔ ریڈ کراس روڈ۔ سرینگر ۱۹۰۰۰۱ کشمیر
- اشرف بک سنٹر۔ ریڈ کراس روڈ۔ سرینگر ۱۹۰۰۰۱ کشمیر

فہرست

انتساب

لازوال اور مقدّس محبت و شفقت
کے بحر بیکراں
بے پایاں خلوص وایثار کے پیکر
میری حیات دُنیوی اور اُخروی کے لئے
متاعِ بے بہا
اپنی محترم ماں کے نام
جس کے قدموں کے تحت میری جنت ہے
جس نے مکمل صبر و تسلیم و رضا
اور ثبات اطاعت کے ساتھ
اللہ کی شکر گذاری کرتے ہوئے
مجھے اپنے سایۂ عاطفت میں پرورش
کرتے ہوئے زندگی کرنے کا سلیقہ بخشا

علی شیداؔ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی بات

''یہ خلش کہاں سے ہوتی'' میری اُردو شاعری کا پہلا مجموعہ ہے۔ اس سے پہلے کشمیری شعرو شاعری پر مبنی میرے تین مجموعے ''سونرل''، ''کرٕہن شین''، ''نُبی آر'' اور نعتوں کا ایک مجموعہ ''صلِ علیٰ'' کے نام سے شائع ہو کر قارئین کرام تک پہنچ چکے ہیں۔ اُردو شعرو شاعری کی طرف طالب علمی کے زمانے ہی سے میری توجہ رہی ہے۔ گورنمنٹ ڈگری کالج اننت ناگ کے سالانہ میگزین ''ویرناگ'' کے اُردو حصے میں بھی میری غزلیں وغیرہ شامل رہی ہیں جو اُردو اساتذہ خصوصاً مرحوم ملک غلام محمد شوریدہ کشمیری، وغیرہ کی نگرانی میں مرتب ہوتا تھا، لیکن غالب طور پر میرا رجحان کشمیری شعرو ادب کی طرف ہی رہا۔ اور میری کشمیری غزلیں اور نظمیں اسی ''ویرناگ'' میگزین کے کشمیری حصے میں چھپتی رہیں جس کو بائیس تیئس سال تک مسلسل طور پر پروفیسر غلام محمد شاد استاد تاریخ مرتب کرتے رہے۔ اُنکی مسلسل رہنمائی اور رفاقت کی وجہ سے بھی میں کشمیری شعرو ادب سے خصوصی طور پر جڑا رہا۔ اس کیساتھ ساتھ ریاستی اور علاقائی سطح پر کشمیری زبان و ادب کے بارے میں ادیبوں اور شاعروں کی مشترکہ سرگرمیاں اور موافق و سازگار فضا وغیرہ کے علاوہ اور بھی کئی وجوہات اور عوامل اپنا کردار ادا کرتے رہے۔

لیکن اُردو کے ساتھ میں نے پھر بھی اپنے تعلقات جاری اور قائم رکھے اور میں کبھی کبھار اس طرف بھی توجہ دیتا رہا۔ پھر جب ملازمت کے سلسلے میں مجھے دہلی میں تین سال کے طویل عرصہ تک قیام پذیر ہونا پڑا تو اُردو زبان و ادب کی طرف میرا اشغف بڑھتا گیا۔ اور میری تبدیلی کے خوبصورت حادثہ نے میرے اشہب تخیل کو مہمیز کرنا شروع کیا، پھر فضائے اُردو میں پرواز کے ساتھ ساتھ گنگناہٹ میں بھی نئی ترنگ شروع ہوتی گئی۔ نتیجہ کے طور پر میں صفحہ ہائے قرطاس پر اُردو غزلیں اور نظمیں تحریر کرتا گیا۔

شعرو شاعری کے ساتھ میرا تعلق تو بچپن ہی سے رہا ہے، سن شعور ہی سے میں قدرت کی تخلیق

کردہ اس بوقلموں اور پرُاسرار کائنات کو سمجھنے کی کوشش میں لگ گیا۔ جس میں خالق حقیقی کے ان

گنت رنگ، شاندار اور حیران کرنے والی نشانیاں...... لاتعداد صورتوں میں نہ صرف دعوتِ نظارہ بلکہ دعوت غور وفکر بھی دیتی رہتی ہیں۔ اس کو پانے کی کوشش میں جتنی بھی فہم واستعداد، بصارت و بصیرت، وجدان وشعور اور عقل وادراک میرے نصیب میں تھا، اُسی کا ایک پہلو میری شعر وشاعری کی صورت اختیار کرتا گیا۔

شاعری قدرت کی بہترین دین ہے مگر اس میں وقت اور ماحول کے نشیب وفراز مسرت وغم، آلام وتفکرات، مصائب وحوادث اور تجربات اور مشاہدات جو رنگ بھرتے رہتے ہیں وہی اس کی خوبصورتی اور جاذبیت کے ضامن بھی بن جاتے ہیں۔ زندگی کو قریب سے دیکھنے پرکھنے اور جانچنے کی کوشش اور کائنات کی طلسماتی حقیقت کو تلاشنے کی سعی ایک شاعر وادیب کو پرعزم مسافر کی طرح اپنی منزل کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔ اس سفر میں اپنی بصیرت اور وجدان ہی شاعر وادیب کی تخلیقات کا تار و پود بنتے ہیں اور اسی تخیل وبصیرت اور وجدان سے وہ اپنے قلم سے گلستانِ نظم ونثر کو لاتعداد رنگ برنگ پھولوں سے آراستہ کرتا ہے۔

گلشن ادب وشعر کو سنوارنے میں، اس سفر کو طے کرتے ہوئے میں کس منزل پر پہنچا ہوں یہ قارئین کرام ہی جانچ سکتے ہیں۔ میں ''مایۂ خویش'' اُن کے سپرد کر رہا ہوں، کم وبیش کا حساب، وہی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے اپنے استاد، محترم پروفیسر جی ایم شادؔ صاحبؒ کی شفقت ومحبت بھری ذاتِ گرامی قدر سے آج تک مسلسل مستفید ہونے کا وافر موقعہ عطا فرمایا۔ میں خلوص ومحبت کے ساتھ اُن کے لئے سراپا سپاس گذار ہوں حسب سابق میری اس اُردو شاعری کے مجموعے کو بھی سنوارنے میں انہوں نے جس پرخلوص اور اَن تھک محنت ومحبت سے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس کیلئے اُن کی شکر گذاری کے بغیر میرے پاس صلے کے طور پر اور کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ اللہ سے میری دُعا ہے کہ وہ بہت بہت مدت تک بحرِ علم وادب کے شناوروں اور غواصوں کی اپنی فطرت عادت کے ساتھ رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے رہیں۔ آمین!

علی شیدا

۹ر مئی ۲۰۰۲ء

''نجد وَن'' نپورہ (کولگام) اسلام آباد۔ کشمیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِفتتاحِ سخن

کشمیری شعروادب کے حلقوں میں علی شیدؔا ایک معروف اور جانا پہچانا نام ہے۔ وہ اپنی سنجیدہ شعروشاعری، پاکیزہ رومانیت سے مملوطرز بیان، بامعنی ابہام وایہام، معصوم اور سادہ زبان اور اپنے مخصوص لب ولہجہ کیوجہ سے ایک منفرد مقام بنا چکا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ معاصرانہ ''کور چشمی'' اور ''شپرہ چشمی'' مختلف ذاتی اور حاسدانہ وجوہات کی بناء پر۔ علی شیدؔا کی طرف ''چشم بند ولب بہ بند'' کئے ہوئے ہے۔ کشمیری غزل اور نظم کا قد وقامت، حجم وجسامت کے لحاظ سے گذشتہ چند دہائیوں میں نہ صرف ضخیم وجسیم ہوتا، بلکہ پھولتا بھی رہا۔ لیکن اس میں سے ''بہ قامت کہتر'' کا حصہ ''بقیمت بہتر'' ہے اور اس ''بقامت کہتر'' میں علی شیدؔا کا حصہ واضح طور پر جاذب توجہ مقام رکھتا ہے۔

کشمیری زبان میں علی شیدؔا کے کئی وقیع شعری مجموعے آج تک منظر عام پر آکے ادبی حلقوں اور کشمیری شعروشاعری کے مُحبّوں سے دادِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ ان میں ''سونژل'' (کہکشاں) ''رینبہِ آرِ'' (ایک پرجلال نالے کا نام) ''کرٕہُنٕ شین'' (کالی برف) اور نعتوں کا مجموعہ ''صل علیٰ'' نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

شیدؔا گورنمنٹ ڈگری کالج کھنہ بل اننت ناگ میں اپنی طالب علمی کے دنوں سے ہی شعروشاعری سے شغف رکھتا تھا اور کشمیری اور اُردو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتا تھا۔ لیکن شیدؔا کی خصوصی توجہ کشمیری شاعری کی طرف ہی رہی۔ شیدؔا نے آرٹس مضامین کے ساتھ بی اے اور اقتصادیات میں ایم اے پاس کیا، جموں وکشمیر بینک میں ملازم ہو کے مختلف جگہوں پر کام کرتے رہا۔ اسی سلسلے میں علی شیدؔا کو ۲۰۰۰ء تک چند سال کے لئے مسلسل دِلّی میں اقامت پذیر ہونا پڑا۔ اور دلی میں رہتے ہوئے اُردو شعروشاعری کی طرف شیدؔا کی توجہ کو مہمیز لگا۔ جس کا مثبت نتیجہ اس دلکش اور خوبصورت مجموعے کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

شیدؔا کی شعروشاعری اور طرز وآہنگ کے سلسلے میں، میں شیدؔا کے کشمیری مجموعہ ہائے کلام کے

دیباچوں میں، اپنی رائے کا تفصیلی اظہار کر چکا ہوں۔ جس کا بیشتر حصہ اُس کی اُردو شاعری پر بھی صادق آتا ہے اگرچہ شیدا اپنا اُردو کلام لے کے پہلی بار ریاستی شعروادب کے حلقے میں شامل ہو رہا ہے، لیکن ''یہ خلش کہاں سے ہوتی'' کے نام کا یہ مجموعۂ کلام ریاستی اور شعروادب کے ذخیرے میں تُک بندی سے پاک اور مبّرا، ایک قابل قدر وستائش بامعنی اضافہ ہے۔

علی شیدا بنیادی طور پر رومانٹک شاعر ہے۔ اس کی شاعری کی بنیاد محبت اور خلوص پر قائم ہے۔ وہ سراپا درد وسوز اور محبت ہے۔ اس کی شاعری میں والہانہ محبت اور اس کے ساتھ ناقابل تنسیخ ایفائے عہد کا گہرا احساس موج زن ہے۔ خیالات کی دلکشی، خوبصورت رچاؤ، تخیل اور زبان کی سادگی اور روانی نمایاں خصوصیات ہیں۔ دل کی وارفتگی، معصوم خلوص بھرا انداز، شگفتہ طرز، بے تکلفی اور برجستگی اس پر مستزاد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاعر کا کلام اس کی سیرت، حالات وواقعات جن سے وہ گذر رہا ہے۔ اس کی اندرونی کیفیات اور طبیعت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ علی شیدا کی شاعری مجموعی طور پر اس کی بہترین مثال پیش کرتی ہے۔ اس کا کلام صنائع وبدایع کے بے جا استعمال، ناقابل فہم ابہام زدہ پیچیدگی اور خواہ مخواہ کی عبارت آرائی سے مبّرا اور پاک ہے۔

علی شیدا کی شاعری ''بے تہہ'' نہیں ہے اور نہ تو سپاٹ ہے نہ سطحی، اس کے اشعار کی ''تہہ داریت'' سے فرحت وخوشی کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے یہاں ایک جاندار تغزل ہے جس کا بنیادی عنصر حسن کا انتہائی نازک اور جمالیاتی احساس ہے۔ اس کے کلام میں سطح کے نیچے ایک چھپی ہوئی لہر محسوس ہوتی ہے اور وہ ہے، بے نیل ومرام عشق کی خاموش اور ظاہر میں سست رفتار لہر کی آواز۔ جس کا ذکر شیدا صبر وشکیبائی کے ساتھ نت نئے انداز میں، شکوؤں اور گلوں کی صورت میں بار بار کرتا ہے۔ اس ناکامی، اس کی تلخی اور مسافت ہجر کی طوالت اور ظاہر میں ناممکن الوقوع وصل کے انتظار کی شدت کا بیان کرتے ہوئے شیدا کا وجود ایک جاندار نغمہ اور بلند آہنگ میں ڈھل جاتا ہے اور جذب اندروں کی شدت سے مئے سہ آتشہ کی طرح تیز ہو جاتا ہے۔ بین السطور مطالعہ کرتے ہوئے آپ محسوس کریں گے کہ شیدا کے تصور عشق میں غالب حزنیہ عنصر، سوز وگداز، اور درد والم کے زبردست احساس نے ان کی شاعری میں گہرائی اور گیرائی، اور تاثیر وتاثر کی عجیب اور دلکش کیفیت بنائی ہے۔

چھوٹی بحروں کی غزلیں نسبتاً سادہ اور زیادہ پُراثر ہیں۔ ویسے مجموعی طور پر شیدا کی غزلوں میں

جذبات واحساسات کی بڑی خوبصورت آمیزش ہے اور اظہار وابلاغ کا متوازن انداز بھی۔ چند مثالیں پیش ہیں

رقص تھا، جام کا دور تھا، ہم نہ تھے　　میکدے میں تو کل تھا خدا، ہم نہ تھے
ہم سفر تھا چراغِ تصور ترا　　زندگی کے اندھیرے بھی کچھ کم نہ تھے
ہچکیوں کی کسک آنسوؤں کی چمک　　ہم بھی تنہا نہ تھے لوگ ہمدم نہ تھے

آتش غم میں بدن جلتا رہا شب بھر مرا　　آنسوؤں کا ہم سفر بنتا گیا منظر مرا
میں کبھی بیٹھا نہ تھا بچپن میں آئینوں کے پاس　　پتھروں کے بیچ کیوں دفنا گئے پیکر مرا
اب کھلونے توڑنے کا حوصلہ باقی نہیں　　کس طرح سے کاغذی پھولوں نے چھینا گھر مرا

اب کہاں تیرے شہر میں وہ خلوص انتظار　　شام ہوتے ہی دریچوں پر جلاتے تھے چراغ
رات کے پچھلے پہر تھی جھیل میں سرگوشیاں　　وہ ترا شعلہ بدن تھا یا نہاتے تھے چراغ
ہم نے دیکھی ہیں محبت کی بڑی رسوائیاں　　آہٹیں سنتے ہی دامن میں چھپاتے تھے چراغ

بات روز و شب مہینوں کی نہیں　　موسم وصلِ دل و جان اور ہے

ہاں عمر کے ڈھلتے موسم میں اس شئے کی ضرورت پڑ جائے
جیون کے ادھورے خوابوں کو سینے میں چھپا دو، اچھا ہے

دیکھنے کا عمل نہیں ٹوٹا　　ورنہ ہر شخص خواب جانے ہے

اس درجہ زمانے کی ہوا تیز چلے گی　　یہ جانتے تو یوں نہ بناتے ہم آشیاں
آنکھوں میں صنم لاکھ مگر دل میں حرم ایک　　بستی میں نہیں میرے سوا کوئی مسلمان

ہم بھی پکارتے ہی رہے ہیں خدا خدا　　ہر در پہ بھٹکتی ہے مگر ان سنی صدا
سجدے میں عمر بھر رہے لیکے وہی خلوص　　تجھ سے قبول ہو نہ سکی ایک بھی دُعا

پھیلا نہ کسی غیر کے آگے یہ دستِ شوق — اپنا ہی دل ہے ساغر و مینا و میکدہ
یہ شہر تیرے فضل و کرم سے ہے فیضیاب — بن چاہے ملے درد، مرے بھی تو بن دوا

مقصد تھا عاشقی میں شہادت کی زندگی — مقتل پہ رکھ کے سر تجھے قاتل بنا دیا
کن ولولوں کیساتھ چلے تھے سوئے حرم — دہلیز تیری مل گئی سر کو جھکا دیا
شب کی سیاہیوں میں اجالے ہوئے دفن — آوارہ ابرِ زلف میں سورج چھپا دیا
لائی ہو ساتھ بجلیاں ابر نقاب میں — رستہ درِ غریب کا کس نے دکھا دیا

عشق صحرائے نجد میں بھی ہو — تذکرے بحر و بر میں ہوتے ہیں

چند شعر اور

پانیوں میں سراب دیکھے ہیں — ہم نے ایسے بھی خواب دیکھے ہیں

اسیر وقت میرا غم نہیں ہے — مرے غم کا کوئی موسم نہیں ہے
چھلک جائے تو ساون آنکھ برسے — سُلگ جائے تو برسوں نم نہیں ہے
ابھی دستِ حنا اپنا نہ کھولو — موافق گردشِ عالم نہیں ہے

آنچل میں تیرے موت بھی تو تھی نہ کم حسیں — کیوں جرمِ تغافل کو ملی زندگی سزا
اسبار سمندر پہ نئی دھوپ کے منظر — اس بار جزیرے میں ہوا چاند لاپتہ

ان فضاؤں میں گم پھر نہ ہونا کبھی — پاس میرے رہو خوشبوؤں کی طرح

یادیں مسل چکی ہیں محبت کے حادثے — اب تو ردائے خستہ میں ہم کیا رفو کریں
ہر شئے فصیلِ عشق میں بے اختیار ہے — پاؤں کہاں پساریں کہاں جستجو کریں

پھر چشم تر کا ذکر کرے ہے ہوائے گل
پھر تتلیوں کا درد بکھرتا ہے باغ و بن

راہِ وفا میں خارِ مغیلاں ہیں ہر طرف

ہو صبر وضبط کم اگر آنکھوں میں اشک بن

سینے کی دھڑکنوں میں ہیں سرگوشیاں عجیب
شاید کسی کی جستجو میں پھر ہے کوہ کن

تیرے نام پہ آج کی رات برسے بادل بن برسات
تتلی ! کیوں شرماتی ہو جگنو لایا ہے بارات

اپنے سینے سے کھلونوں کو لگا لیتے ہیں ہم شب کو سنتے ہیں صدا بچپن کی ہم دیوار میں

پھر بھٹکتا ہے مزاروں میں چراغوں کا وجود
بستیوں میں گھومتے پھرتے ہیں سائے بے حجاب

شہر کا جس نے کونا کونا چھانا ہے غیر نہ کوئی تیرا ہی دیوانہ ہے
اپنے غم کا روپ الگ ہے رنگ الگ اپنا غم تو ہم جیسا مستانا ہے
میں ہی ہوں اب اک مجنوں اس بستی میں پتھر لے کے آئے جس کو آنا ہے
میرا جنازہ تیری ڈولی ، رستہ ایک ائے سانوریا یہ کیسا یارانا ہے
تیری یاد میں کچھ لمحے جب کھو جاؤں اپنا ماضی لگتا اک افسانا ہے
کانٹوں پر دم بھرلوں یا پھولوں کے بیچ اک پنچھی ہوں آوارہ اُڑ جانا ہے
کس کی یاد میں گم صُم ہیں یہ دیواریں جانے کیوں یہ گھر میرا ویرانا ہے

منزل اُمید ہے خانہ بدوشوں کے نشاں
خیمہ زن ہے پیاس کا موسم اسی گاؤں کے بیچ
زلف کی آشفتگی میں خضر ، اپنا کیا کرے
ہم تو اب کی بار کھوئے ہیں بہت راہوں کے بیچ

علی شیداؔ کے رومانٹک شاعر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے پُر آشوب ماحول اور اپنے گردو پیش میں ہونے والے حوادث اور واقعات سے بے اعتنائی سے صرف نظر کرتا ہے اور اُن کے بارے میں ''چشم بندو، لب بہ بندو گوش بند'' پر عمل پیرا ہے۔ شیداؔ ایک حساس اور باغیرت فنکار ہے۔ وہ ایک انسان ہے اور انسانوں پر ہو رہے ظلم وستم اور بربریت کے واقعات وحوادث سے لازمی طور پر متاثر ہوتا ہے۔ خصوصاً اس کے وطن مالوف کو جن روح فرسا، عقل رُبا اور خون آشام سیاسی اور دہشت گردانہ ماحول میں جکڑ کے رکھ دیا گیا ہے، جس ماحول نے ہر کشمیری کو بلا لحاظ مذہب وملت اور جنس کے، یاس وحرماں نصیبی کا بے زباں بت بنا کے رکھ دیا ہے۔ ایک حساس اور ذہین قلب وذہن کے حامل فنکار کو ایسے حالات متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔ علی شیداؔ کے کلام میں ایسے احساسات اور جذبات، کے ساتھ حالات وواقعات کی عکاسی ضرور ملے گی۔ چند اشعار بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں ؎

بستی بستی پہرا ہے — گلشن گلشن صحرا دیکھ

کس نئے موسم کا یہ منظر کھلا — پیڑ کا پتہ بھی اب ہلتا نہیں
قاتلوں کا شہر، مقتل ہے عجیب — خون کا قطرہ کہیں ملتا نہیں
ظلم کا پہرہ ہے پگ پگ پر لگا — سچ بچارے کا کہا چلتا نہیں
ہر گلی ہر رَہ مزارِ بے نشاں — ''نیوز'' میں لیکن کوئی مرتا نہیں
ظلم کے مقتل سجیں گے کب تلک؟ — کیا کسی کی بھی خدا، سنتا نہیں

کب ختم ہو یہ سلسلۂ پرُسش گناہ — اس حبس کے قفس میں کہو، کیسے من لگے
مانوس اتنے دشت نوردی سے ہوگئے — پاؤں کو خار زار بھی اب پھول بن لگے

پُر پیچ رہگذر کے نشیب و فراز کا — اندازہ ہو صحیح اگر، صحرا چمن لگے
ہر چمن میں ہر شجر پر مرثیہ خوانی مری — پتے پتے پر لکھی ہے کس نے ویرانی مری

کس نے اس غارتگری کا فن تجھے سکھلا دیا — ایک ہی دیوار سے پیدا کئے ہیں دو صحن

وادیٔ گلپوش تیرے غم میں ہیں ہم بھی شریک
ہیں سلگتی ریت کے صحرا میں کب سے خیمہ زن
آج سے پہلے بھی دستورِ جفا تھے نت نئے
اب تو ہر دیوار کے سائے میں ہیں دار و رسن

دو دلوں کی دھڑکنوں کو بند کر سکتا ہے کون؟
اور ٹکڑوں میں بٹے گا کیوں ہمارا کاشمیر

غم کی ڈالی پر امیدوں کے دیئے جلتے رہے
جبکہ اس دوراں میں ڈوبے بارہا شمس و قمر

اشک آلودہ نگاہوں کو مزاروں کی تلاش
گم ہوئے ہیں کیسے کیسے شوخ ، بے گور و کفن
شعلۂ تقدیر نے سب کچھ جلا کر رکھ دیا
ہم تو کہتے تھے کہ ہے رشکِ جناں اپنا چمن

اس مجموعے میں طویل اور مختصر آزاد نظمیں بھی شامل ہیں۔ جن میں لیڈر کے کنارے، ایک یتیم لڑکی کے نام، میرے محبوب میری التجا سن لے، اجنبی لمحے، بدلتے موسم، حبس تخلیق کا قیدی وغیرہ وغیرہ نظمیں، ہو رہے واقعات و حوادث کے بارے میں شاعر کا ردّ عمل ظاہر کرتی ہیں، بلکہ ضمنی طور پر ان میں اُن حالات و حوادث کی عکاسی بھی نظر آتی ہے، جن سے تخلیق کار......اور اس کے گرد و پیش رہنے والے لوگ خود گذر رہے ہیں۔ ایک مختصر سی نظم دیکھئے

بچ کے رہیو
دیکھ کے چلیو
تاک میں تیری
موہنی صورت آدی واسی
شہر میں کُچلے جاؤ گی
پنگھٹ پنگھٹ سُونا سُونا
گھاگر گاگر ٹوٹی ہے
شہر نے گاؤں نگل لیا

علی شیداؔ کشمیری اور اُردو دونوں زبانوں میں لکھتے ہیں۔ کشمیری کی طرح انہیں اُردو زبان پر بھی

اچھی خاصی دسترس حاصل ہے۔ میرے چند دیگر عزیزوں کی طرح، جنہیں شعر و شاعری سے شغف
ہے، علی شیداؔ کا تعلق بھی اُس کے زمانۂ طالب علمی ہی سے میرے ساتھ مسلسل قائم اور استوار رہا
ہے۔ مجھے اُن سب عزیزوں پر فخر ہے، کچھ شاعر ہیں، کچھ افسانہ نگار، کچھ ڈرامے لکھتے ہیں، علی شیداؔ
کو ان میں ایک ممتاز اور گرانقدر مقام حاصل ہے۔ یہی میری معنوی اولاد ہیں۔

اس مجموعے میں شامل تخلیقات نئی دہلی اور پھر یہاں کشمیر میں میری نظر سے کئی بار گذری ہیں۔
کہیں کہیں زبان وغیرہ کی......نوک پلک کی درستی کے لئے..........اضافت اور ہلکی سی تبدیلیوں
سے کام لیا گیا ہے۔ میری دُعا ہے کہ علی شیداؔ ایک فنکار کی حیثیت سے کامیابی اور کامرانی کے ساتھ
عزت و ترقی کی بلندیوں پر پہنچے اور اللہ تعالیٰ اُسے بھرپور توفیق اور صلاحیت سے نوازے۔ اور وہ
اپنے وطن، اپنے ہم وطن انسانوں اور علم و ادب کی خدمت انجام دیتا رہے

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

۱۹ر مئی ۲۰۰۲

(پروفیسر) غلام محمد شادؔ
۵۱، سیکاپ روڈ
بج بہارا۔ کشمیر

نعت

دل میں، آنکھوں میں، سینے میں اپنے
جلوہ گر ہے لِقائے محمدؐ
فرشِ رنگیں سے عرشِ بریں تک
اللہ اللہ صدائے محمدؐ
ظلمتوں کے زمانے میں یا رب
آفتابِ رسالت جو آیا
راہ حق سے جو بھٹکے ہوئے تھے
ان کو نورِ ہدایت دکھایا
جن کا دنیا میں کوئی نہیں تھا
ان کو باہوں میں جھولا جھلایا
دشمنوں نے بھی گردن جھکائی
دلنشیں ہے ادائے محمدؐ
بے کسوں کے بھی غم خوار وہ ہیں
بے بسوں کے مددگار وہ ہیں
سن رہے ہیں یتیموں کے نالے
ہاں یتیموں کے سرکار وہ ہیں
دکھ کی بستی میں سکھ بانٹتے ہیں
غم کے ماروں کے دلدار وہ ہیں

دونوں عالم پہ سایہ فگن ہے
ابرِ رحمت ردائے محمدؐ

آج کشتی بھنور میں ہے اپنی
اور نظر میں کنارا نہیں ہے
کملی والے کا سایہ ہے ہم پر
اور کوئی سہارا نہیں ہے
بس محمدؐ ہیں ملجا ہمارے
اور کوئی ہمارا نہیں ہے

جھولیاں آج بھر کے ہی لیں گے
ہم تو سب ہیں گدائے محمدؐ

اے خدا ہم پہ اپنا کرم کر
کملی والے کا رستہ سُجھا دے
خاکِ پائے مبارک پہ سر ہو
ان کے کہنے پہ ہم کو چلا دے
جس گلی سے ہیں گزرے محمدؐ
خاک اس کی ہمیں بھی بنادے

روک پائے نہ کوئی ہمیں اب
آرہی ہے نِدائے محمدؐ

نعت

دل مِرا میرا جگر ، میری نظر میرے نبیؐ
میں مسافر ہوں ، میری راہِ سفر ، میرے نبیؐ

چاند اور سورج ، ستارے ہیں جہاں کے واسطے
میں یہ کہتا ہوں کہ ہے شمس و قمر میرے نبیؐ

اشک آلودہ نگاہیں حسرتِ دیدار میں
دیکھ بھی لیتے یہ برجستہ شجر ، میرے نبیؐ

وہ نویدِ صُبحِ عالم شمع بزم کائنات
میں اسیرِ شب ہوں روشن گر میرا میرے نبیؐ

آ کہ ہر اک شخص کی پلکوں پہ ہیں جلتے چراغ
منتظر تیرے لئے سارے بشر ، میرے نبیؐ

جنکے کچھ خاکے ہیں برسوں سے ذہن کے آس پاس
کاش ان گلیوں سے اب ہوتا گزر ، میرے نبیؐ

ہے تمنا بس یہی شیدؔا کے دل میں موج زن
یاد میں تیری ہو ہر لمحہ بسر ، میرے نبیؐ

❖ ❖ ❖
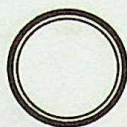
عمر ساری جناب دے دینا
لمحہ لمحہ عذاب دے دینا

خط کے کونے میں پھول ٹانکے ہیں
اور کانٹا جواب دے دینا

بھیگی پلکوں پہ سرخ آنسو ہیں
خونِ دل کی کتاب دے دینا

کل کے ماتم پہ کیا بھروسہ ہے
کل کے غم کا حساب دے دینا

آنے والا حِنا کا موسم ہے
تتلیوں کو گلاب دے دینا

گرم سانسیں قریب تر کردو
پھر گناہ کو ثواب دے دینا

سحر ہونے کی رسم مت توڑو
گیسوو! آفتاب دے دینا

نام کتنے دیئے زمانے نے
تم بھی کوئی خطاب دے دینا

چاند اترا ہے پھر دریچے پر
رَت جگے میں یہ خواب دے دینا

لوگ سمجھیں گے کیا اسے شیدؔا
پیاس بھر کر حُباب دے دینا
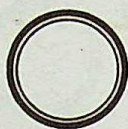
آتشِ غم میں بدن جلتا رہا شب بھر میرا
آنسوؤں کا ہمسفر بہتا گیا منظر میرا

میں کبھی بیٹھا نہ تھا بچپن میں آئینوں کے پاس
پتھروں کے بیچ کیوں دفنا گئے پیکر میرا

تپتے ریگستاں سے پیاسے لوگ بُلوائے گئے
دل نچوڑے ہی چلے جائیں گے خوں پی کر مرا

اب کھلونے توڑنے کا حوصلہ باقی نہیں
کس طرح سے کاغذی پھولوں نے چھینا گھر میرا

جس کی خاطر بھول بیٹھے تھے حرم کے راستے
کیا پڑھائے گا جنازہ وہ صنم کافر مرا

گیسوئے محبوب کے سائے میں پڑھتے ہیں نماز
ہے خمِ ابروئے دلبر کعبہ و منبر مرا

مدتوں یوں ہی رہے گی بزم انجم کی بساط
گرم انگاروں پر پھیلاتے رہو منظر مرا

اور کتنی دیر تک خالی رہے گا یہ مکان
کوئی مورت ڈھونڈ کر لائے گا صورت گر مرا

کیوں بھلا شیدؔا سے رکھتے ہو تکلّف کی امید
میں تو شیدائے غزل ہوں۔ شاعری دفتر مرا
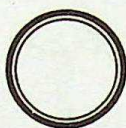
ترچھی نظر نے درد نیا ہی جگا دیا
لمحے میں دل کے زخم کو تازہ بنا دیا

ملنے کی آرزو میں سُلگتے رہے بہت
دستِ حنا کی آگ نے آخر جلا دیا

اس درجہ زندگی میں کبھی تھے نہ ہم خراب
جلتے بدن پہ اشک کا دامن سکھا دیا

منزل ہے کارواں ہے خیالوں کا سلسلہ
خونِ جگر کو آنکھ سے ہونٹوں پہ لا دیا

مقصد تھا عاشقی میں شہادت کی زندگی
مقتل پہ رکھ کے سر تجھے قاتل بنا دیا

گُل کے فریب سے کہیں کانٹے تھے مہربان
رُسوائیوں کے خوف سے دامن چھڑا دیا

دل کا سکون ، آرزو ، آنسو ہو یا شباب
افسوس ہم نے مفت میں سب کچھ لُٹا دیا

کن ولولوں کے ساتھ چلے تھے سوئے حرم
دہلیز تیری مل گئی سر کو جھکا دیا

ہونٹوں کی خامشی میں ہے بھیگی یہ رُت نئی
پلکوں پہ تو نے آج پھر موسم گھما دیا

شب کی سیاہیوں میں اُجالے ہوئے دفن
آوارہ ابرِ زُلف میں سورج چھپا دیا

لائی ہو ساتھ بجلیاں ابرِ نقاب میں
رستہ درِ غریب کا کس نے دکھا دیا

ہر شوخ تصور ہے صنم خانۂ بہزاد
ہر نقش قدم حرمتِ کعبہ بنا دیا

ان کا طریق بے رخی شیدؔا بنا رہے
کہنا جو تھا غزل میں وہ سارا سنا دیا

پیش پھر اک نیا سفر آیا
مجھسے میں ہوں میں کدھر آیا
عید کی شام دل کے آنگن سے
درد کا چاند پھر نظر آیا
تھام کر چل دل و جگر اپنا
ہاں میرے دلربا کا گھر آیا
شب جدائی کی ، اشک میں ڈوبی
دل پہ اک نقش سا ابھر آیا
کون جھانکا ہے میرے ماضی میں
آج پلکوں پہ کیوں جگر آیا
پھر وفا کی تلاش میں نکلے
پھر اسی بے وفا کا گھر آیا
تو حسیں شام سرمئی خوشبو
میں غزل کی لئے سحر آیا
ہائے شیدا وصال کا موسم
یاد پھر اپنا کاشمر آیا
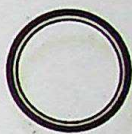
زمانہ ہی رہا کب عاشقی کا
فقط چرچا ہے تیری بے رخی کا

صنم لاکھوں بنے پھرتے ہیں کیا کیا
مزا کچھ بھی نہیں اب بندگی کا

نشہ آنکھوں سے اُترا اشک بن کر
یہ جادو تھا کسی کی برہمی کا

غمِ دل یوں ہوا رسوائے عالم
میں رویا تر ہوا دامن کسی کا

یہی شیشہ تھا جس کی کرچیوں میں
بکھر کر میں ہوا چہرا کسی کا

ہوا ، شبنم ، فضا ، صحرا ، سمندر
بکھرنا سب ہے میری بے دلی کا

ٹپک کر دھوپ اولے اُگ رہی ہے
نیا موسم ہے یہ کس دوستی کا

ذرا پردہ اٹھا کے دیکھ لینا
گریباں چاک ہے عاشق کسی کا

فضا میں منتشر خوشبو ہوئی ہے
جنازہ اٹھ رہا ہے کس کلی کا
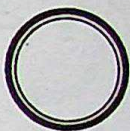
درد بھی حد سے گزر جائے تو کیا
اور اگر یوں ہی ٹھہر جائے تو کیا

میں شہادت گاہِ الفت میں چلا
خود اگر قاتل ہی ڈر جائے تو کیا

قیس ہوں صحرا ہی اپنا گھر لگے
وہ سرِ راہ چھوڑ کر جائے تو کیا

آتشِ قلب و جگر سوزاں تو ہے
آنکھ اپنی گریہ کر جائے تو کیا

حالتِ مستی میں کیا معلوم ہے
کچھ کہے کچھ سے مکر جائے تو کیا

آج کی یہ شام تیرے نام پر
زندگی ویسے سنور جائے تو کیا
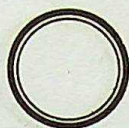
آنکھوں میں اب اشکوں کا سمندر نہیں ملتا
بہتے ہوئے دریا کا وہ منظر نہیں ملتا

بجھتی ہے یہاں دھوپ سے صحرا کی تشنگی
اس دشت میں موسم کا پیمبر نہیں ملتا

راس آئے نہ پھولوں کا شہر میرے جنوں کو
کہتا ہے ہر ایک شخص کہ پتھر نہیں ملتا

سوتی تھی کبھی زُلف کی چھایا میں آرزو
اب اپنے ہی گاؤں میں ہمیں گھر نہیں ملتا

یہ حسن اتفاق نہیں ہے تو اور کیا!
ملتے ہیں ستم لاکھ، ستم گر نہیں ملتا

گرتے ہوئے برگوں پہ بہاروں کی لکیریں
موسم کے بدلنے کا وہ تیور نہیں ملتا

اب دیکھئے کس شخص پہ ہو قتل کا الزام
قاتل بھی ہے مقتول بھی، خنجر نہیں ملتا

کچھ عکس تو شیدا ہے کتابوں میں الجھ کر
خوابوں میں بسایا ہوا پیکر نہیں ملتا
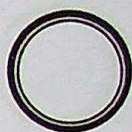
وصالِ یار میں فرقت کی تلخی کا گماں ہونا
بہت مشکل ہے یارب امتحاں پر امتحاں ہونا

مچل کر حسن کے شعلوں سے دامن کیوں جھٹکتے ہو
فنا فی العشق ہو جانا ہے اس کا رازداں ہونا

بہ صد آرائش و اسباب جنت گر حقیقت ہو
کسے پیری میں مر کر پھر نہ آئے گا جواں ہونا

صدائے صد جنوں کیساتھ اب تک نجد قائم ہے
متاعِ عشق ہے مجنوں کا زیبِ داستاں ہونا

فنا شبنم، نہ پژمردہ ہے گل نئے خاک ہے بلبل
کرامت عشق کی ہے زندگی کا پاسباں ہونا
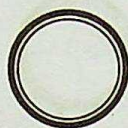
دیوانگی میں ہوشمند عالم مچل گیا
آئینہ اپنے آپ ہی چہرہ بدل گیا

موسم عجیب کھِل اٹھے کیسے ہی دل فریب
اپنا یہ غم بھی درد کے سانچے میں ڈھل گیا

کس درجہ دل شکن تھا وہ پہلا ہی حادثہ
اک بار گر کے عمر بھر پھر نا سنبھل گیا

دستِ حنا کی آگ پہ آنسو کے چار بوند
ایسے لگا کہ آشیاں ساون میں جل گیا

ساون کی اشک ریز فضاؤں سے کیا گلہ
آنسو تھے اپنے جن پہ خود پاؤں پھسل گیا

ہم بھی پکارتے ہی رہے ہیں خدا خدا
ہر در پہ بھٹکتی ہے مگر اَن سُنی صدا

تپتے بدن پہ اشک گراتی ہیں بارشیں
تم بے وفا ہو ، غم نہ تمہارا ہے بے وفا

سجدے میں عمر بھر رہے لے کے وہی خلوص
تجھ سے قبول ہو نہ سکی ایک بھی دعا

موسم پہ کھُلی سرخ ہواؤں کی سلوٹیں
صحرائے بے کسی میں رُکایا ہے قافلہ

پھیلا کسی بھی غیر کے آگے نہ اپنا ہاتھ
اپنا ہی دل ہے ساغر و مینا و میکدا

دار و رسن کی رسم نہ پھر پائے گی فروغ !
چرچے ہیں مرے عشق کے بستی میں جابجا

یہ شہر تیرے فضل و کرم سے ہے فیضیاب
بن چاہے ملے درد ، مَریں بھی تو بن دوا

آنچل میں تیرے موت بھی تو تھی نہ کم حسین
کیوں جرمِ تغافل کو ملی زندگی سزا

اس بار سمندر پہ نئی دھوپ کے منظر
اس بار جزیرے میں ہُوا چاند لاپتہ

پھر پھر کے پھر اُبھرتا رہا نقش انتظار
دامن پہ میرے ، اشک میرا رات بھر رہا

جس حادثے کا وہم بھی شیدؔا کبھی نہ تھا
آنکھوں کے سامنے ہی مگر واقعہ ہوا
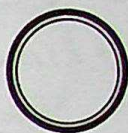
آنکھ لگتے ہی مجھے دِکھتا ہے اک دھندلا سا خواب
چاندی کے جھیل میں بہتا تھا پریوں کا شباب

مدتوں سے میرے آنگن موسم گل ہی نہیں
دل کے بہلانے کو کھولی ہے پرندوں کی کتاب

حاجتِ جنت نہیں ٹھہرے ہیں ہم کافر مزاج
کعبہ کیوں جائیں پرستارِ محبت ہیں جناب

پہلے صورت ، پھر تصور پھر سسکتی آرزو
سب چلے جاتے ہیں رہ جاتی ہے بے چاری شراب

کس مسیحائی کا کرتے عمر بھر ہم انتظار
ایک ہی خط جو ملا ، خط میں نہ تھا کوئی جواب

یہ تقاضائے حوادث ہے کہ نظروں کی شکست
پھول کی پتی سے رستا ہے بہاروں کا عذاب

ڈھونڈ ہی لیں گے تو مل جائیں گے ماضی کے نقوش
آج بھی ہوں گے کتابوں میں کئی سوکھے گلاب

ڈوبتی لہریں سمندر کی بلاتی ہیں ہمیں
جانے کس صحرا میں ہم نے کھو دیا ہے آفتاب

پھر بھٹکتا ہے مزاروں میں چراغوں کا وجود
بستیوں میں گھومتے پھرتے ہیں سائے بے حجاب

اک نئے انداز سے شیداؔ غزل لکھتا ہے آج
محفل اغیار میں پیدا ہوا ہے اضطراب
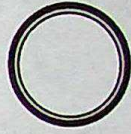
تیرے نام پہ آج کی رات
برسے بادل بن برسات

تتلی کیوں شرماتی ہو
جگنو لایا ہے بارات

دوش نہیں بنجاروں کا
چوراہوں پہ تیری بات

موسم کا گھر دیکھ لیا
ہم نہ خریدے کچھ سوغات

خط کا حاشیہ بھی پڑھ لو
یوں ہی بِتا دو کچھ لمحات

ذکر نہ چھیڑو بچپن کا
مہمل بے معنی کلمات

کیا برفیلی خوشبو تھی
پھول بدلتے ہیں حالات

تاش کی بیگم ہونٹوں پہ
آنکھوں میں شطرنج کی مات

خط میں گیلی دھوپ تھی کیوں
ایسے بھی تھے کیا حالات

دل چھو لیتے ہیں شیدؔا
گیت کے حرکات و سکنات
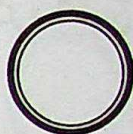
ہاں سلگتی ریت ہوں میں تپتے صحراؤں کے بیچ
میرا دریا بہہ رہا ہے غم کے دریاؤں کے بیچ

میری جانب دیکھ کر ہنسنے کا حق رکھتی ہو تم
زندگی کچی ڈگر اپنی ہے شاہراہوں کے بیچ

منزلِ اُمید ہے خانہ بدوشوں کے نشاں
خیمہ زن ہے پیاس کا موسم اسی گاؤں کے بیچ

موت کے تاریخ دانوں سے کہو آؤ لکھیں
اب کے مرنے کا ارادہ ہے تیری باہوں کے بیچ

تیرے غم کا ہی تسلسل تھا متاعِ کارواں
یہ نہ تھا گر کون تھا پھر شب میں ہمراہوں کے بیچ

کون جانے پھرتی ہے کب تک یہ بردوشِ ہوا
ہیں میری آہیں بھی شامل اَن گنت آہوں کے بیچ

زُلف کی آشفتگی میں خِضر اپنا کیا کرے
ہم تو اب کی بار کھوئے ہیں بہت راہوں کے بیچ

ہے تمنا ہو عروسِ حسن کا رنگیں وداع
میرے دو آنسو بھی رکھ لو سرخ پہناوؤں کے بیچ

تم مچلتی رہو تتلیوں کی طرح
ہم بھی جلتے رہیں جگنوؤں کی طرح

دشمنوں کا شہر آ رہا ہے قریب
ساتھ چلتے رہو دوستوں کی طرح

ان فضاؤں میں گم پھر نہ ہونا کبھی
پاس میرے رہو خوشبوؤں کی طرح

شب کے آنچل میں کچھ حادثے ہیں حسین
چاند کھویا گیا آنسوؤں کی طرح

پھول شرما گیا کچھ ہوا نے کیا
اڑ گئی ہر کلی کاغذوں کی طرح

دل میں آہیں اٹھیں اُٹھ کے بادل بنیں
پھر برستی رہیں بارشوں کی طرح

ایک چلمن ہی ہے شب کی دوشیزگی
بانٹ کر اوڑھ لیں کم سِنوں کی طرح

تیری یادیں ہی تھیں روشنی مل گئی
زندگی ورنہ تھی ظلمتوں کی طرح

پھول ویران قبروں پہ اگتے نہیں
دھول اڑتی رہی آہٹوں کی طرح

دن بِتاتا رہا عاشقوں کی طرح
ہم وفاؤں کا آنچل پکڑتے رہے

آنسوؤں سے نہاتا ہے شیؔدا قلم
وہ بدلتی گئی موسموں کی طرح

جیسے اپنا ماضی گزرا ویسے مستقبل کی بات
کلمہ کلمہ جان کے دیکھا جانے کس مہمل کی بات

لمحہ لمحہ موسم بدلا ساون اور سورج کے بیچ
لب پہ آکے یخ بستہ تھی آگ میں جل کر دل کی بات

صحرا کے سینے پہ اب بھی پیاس کی شدت باقی ہے
خیموں کے سائے سے چل کر لکھتے ہیں مقتل کی بات

شبنم کرنیں، شام، شفق یہ پروانے اور تارے دیپ
ایک دن میرے آنگن آکر پوچھیں گے منزل کی بات

دردِ حنا کی تہذیبوں میں سرخ لہو کا مدفن ہے
دھندلی تصویروں کا آنچل مت چھیڑو محفل کی بات

طوفانوں کی اس بستی میں سات سمندر ٹھہرے ہیں
لوگ میرے پہلو میں آکر کرتے ہیں ساحل کی بات

آنسو کی ہر بہتی دھارا ، تیری ہی دہلیز چلی
سانسوں کی ہر لے میں ہم نے تیری ہی شامل کی بات

داد و رسن کا ذکر ملا تھا لفظوں کے آئینے میں
اب کے لیکن چاروں جانب مقتل ہی مقتل کی بات

آدھی رات کا سورج شیدا دستک دے دروازے پہ
شعروں میں ڈھل کر آئی ہے اک شاعر چنچل کی بات
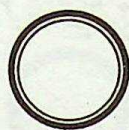
پھر نگاہیں مضطرب ہیں لاکھ سمجھانے کے
اک خلش سی دل میں رہتی ہے تیرے جانے کے بعد

عشق محتاج جگر ہے حسن محتاج شعور
شمع بجھ جاتی ہے خود اشکوں سے پروانے کے بعد

گدگدی ہوتی ہے سن کر وصل کی سرگوشیاں
ٹوٹ پڑتی ہے قیامت ہائے شرمانے کے بعد

پیاس کی شدت بکھر جاتی ہے صحراؤں کے بیچ
لذتِ دردِ جگر ہے زخم سہلانے کے بعد

جل رہے ہیں حرفِ غم سے پُستکوں کے پیرہن
حادثہ اچھا ہوا پہلے ہی افسانے کے بعد

ہم طلبگارِ چراغِ تربتِ ویراں نہیں
موسم جگنو کھلے گا اپنے مر جانے کے بعد

وہ زمانہ تھا پرائے دور تک چلتے تھے ساتھ
اب تو اپنے ہی مسل دیتے ہیں گر جانے کے بعد

اتنی آسانی سے کب ٹوٹے ہیں توبہ کے اصول
ہم تو بس اک بار پیتے ہیں قسم کھانے کے بعد

کچھ تقاضے ہیں کمال آرزو کے قتل میں
وہ نگاہِ ناز بھر آئی تھی تڑپانے کے بعد

پھول تھے پلکوں پہ یا رنگین خوابوں کا دیار
آنکھ جب لگتی ہے شیدا دل کو بہلانے کے بعد
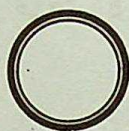
بند تھا پھر وہ دریچہ لوٹ کر آئی نظر
زندگی خانہ بدوشی کارواں ہے ہم سفر

ہم سے مت پوچھوں کمالِ رونقِ خورشید نور
درد کے آنچل میں سوئی شام تک اپنی سحر

آہٹوں کی لے پہ اشکوں کا ترنم پُرفریب
کروٹوں کی شام ہو جائے گی پلکوں پر بسر

پیاس کی شدت کا سودا طے ہوا اشکوں کے ساتھ
آؤ دیوانو کریں صحرا نوردی بے خطر

دھوپ کی آغوش میں پھیلی ہے یادوں کی قبا
واسطے غم کے ہے چھوٹا تیرے پھولوں کا شہر

عشق نے پیدا کئے ہیں وقت کے دار و رسن
عظمتوں کے ساتھ ہی نیلام ہوتے ہیں گہر

جس کے قدموں کی وہ آہٹ دھڑکنیں بنتی گئی
دھوپ میں سایہ تھا جس کا کون تھا وہ ہم سفر

غم کی ڈالی پَر اُمیدوں کے دیئے جلتے رہے
جبکہ اس دوراں میں ڈوبے بارہا شمس و قمر

ہم نے الٹائے ورق اپنے دل صد چاک کے
ورنہ اب بھی وہ لئے پھرتی ہے پہلی سی نظر

حرفِ سنگین کیلئے کافی ہے شیدؔا کا قلم
"پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر"
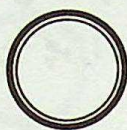
عمر بھر بولے نہ ہم رنگینِ حیا پہلی نظر
یہ الگ ہے زخم بھر آئے نہ اپنے عمر بھر

میرے اشکوں کو نہ ڈھونڈو راستے کی دھول میں
چیر کے دیکھو ذرا کانٹوں سے پھولوں کا جگر

گوہر چشم شبستاں لے گیا کرنوں کا فن
گو کہ اس سے پیشتر آئی بھی تھی بادِ سحر

درد کے طوفاں میں منزل کے جزیرے بہہ گئے
غم کے صحرا میں رہا اپنی خموشی کا گزر

تیرے آنچل میں پروں کی سرسراہٹ کا خیال
کچھ پرندے لے گئے جانے کہاں میرا سفر

بے رخی تیری بنی شہر وفا کی رسمِ ہے
تیرا ہر رستہ لگے ہے تاج محلوں کا شہر

چاند کے آنگن شفق کے فرش پہ کرنوں کی رُت
اپنے پیچھے ڈوبتے چھوڑا ہے سورج کیا ہنر

زرد موسم میں گلِ سرسوں کی یہ شاداب بو،
بلبلِ نخلِ زِمستاں کو سنوارے بال و پر

دو دلوں کی دھڑکنوں کو بند کر سکتا ہے کون
اور ٹکڑوں میں بٹے گا کیوں ہمارا کاشمر

ریتلی دیوار کے سائے میں سورج کا طلوع
میرے خیمے میں ہوئی کس اجنبی کی شب بسر
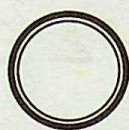
آ خلوصِ عشق کا نیلام دیکھ
ان جواں رسوائیوں کی شام دیکھ

جسم پہ اتری چناروں کی تپش
پیار کے موسم کا یہ انعام دیکھ

پڑھ سکو گے میرے ماضی کی کتاب
پتھروں کی زد میں ٹوٹا جام دیکھ

شورش و رسوائیاں دوشِ ہوا
ہو رہا ہے اک تماشہ عام دیکھ

تھم گئی شاید جزیروں کی تلاش
ڈوبتی سانسوں کا ہے پیغام دیکھ

مجھ سے مت پوچھو چراغوں کا سماں
گرتے اشکوں کو پلک پر تھام دیکھ

پھول رکھتے تھے کتابوں میں کبھی
ہم نے بھی رکھے تھے کس کے نام دیکھ

جگنوؤں کے گھر جلائے ہیں دیئے
ظلمتوں کے کچھ نئے اقسام دیکھ

کشت ویراں میں اسے کر دو دفن
ہو گیا شیدؔا بہت بدنام دیکھ
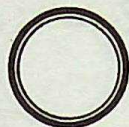
چاند تاروں کو زمیں پر ہی بُلاتے تھے چراغ
ایک پری پیکر کے آگے سر جھکاتے تھے چراغ

اب کہاں تیرے شہر میں وہ خلوصِ انتظار
شام ہوتے ہی دریچوں پر جلاتے تھے چراغ

دیکھ بنجاروں کی بستی میں محبت کا جنون
لوگ تصویروں کی آنکھوں میں جلاتے تھے چراغ

ساحلوں پر قافلے ، خالی امیدوں کے اسیر
آرزوؤں کے سمندر میں بہاتے تھے چراغ

رات کے پچھلے پہر تھی جھیل میں سرگوشیاں
وہ تیرا شعلہ بدن تھا یا نہاتے تھے چراغ

ہم نے دیکھی ہیں محبت کی بڑی رسوائیاں
آہٹیں سنتے ہی دامن میں چھپاتے تھے چراغ

محفلِ شب اہتمام وصل رنگیں حادثات
اک سیاہ منظر میں پروانے بجھاتے تھے چراغ

میرے انداز تفکر میں نہ تھی تاریکیاں
رات کو پلکوں پہ اشکوں سے سجاتے تھے چراغ

اُن کی زلفوں کی سیاہی کی تباہ کاری نہ پوچھ
ہم گزرتے تھے تو ہاتھوں میں اٹھاتے تھے چراغ

درد کے سائے چپک جاتے تھے دیواروں کیساتھ
اشک باری کی کہانی جب سناتے تھے چراغ

دھوپ کی آغوش میں شیدؔا نے لکھی ہے غزل
رات بھر خاموشیوں میں گنگناتے تھے چراغ
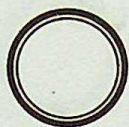
پھر فضائے چشم دوشیزہ چمک
ابرِ بے موسم تو دھیرے سے ٹپک

ہے زمستانِ وطن بس جاں گداز
قمریٔ امید تو پھر بھی چہک

بجھ گئی شاید پرندوں کی پیاس
اوڑھ لی پھولوں نے برفیلی مہک

آسمانوں میں تغیر کے نشاں
بلبلِ بے بال و پر ، آ ، پھر چہک

آہٹوں کی گرم رفتاری بھی سن
وقت بھی روکے گا آہیں کب تلک

تھم گئی آنسو ٹپکنے کی صدا
اٹھ کے ساقی پھر سے پیمانہ چھلک

دھوپ میں ڈوبے سمندر کی تلاش
سرخ طوفانی ہواؤں میں بھٹک

چاند بہتا ہے گھنے جنگل کے بیچ
زلفِ آشفتہ جزیروں پر لٹک

کس نے کی منسوب میرے نام سے
ان مزاروں کی نئی کچی سڑک

دستِ شیدا میں فضاؤں کا قلم
چاند کے ماتھے پہ لکھتا ہے دھنک
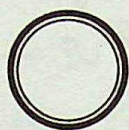
میں لفظوں کو بھول چکا اظہاروں تک
لاکھوں تارے ٹوٹ گئے مہہ پاروں تک

قیس کے صحرا کی مٹی سے پوچھا تھا
اپنا رشتہ جاتا ہے بنجاروں تک

رستوں کی ویرانی کے مرہونِ وفا
خالی بوتل پہنچا دی بے ماروں تک

اپنا سایہ ڈھونڈھ رہا ہوں آنگن میں
کس کی زلفیں پھیلی ہیں دیواروں تک

کاغذ کے پھولوں سے خوشبو آتی ہے
پہنچا دو آداب میرا کرداروں تک

بستی بستی صحرا صحرا سرگوشی
دارورسن کے سائے ہیں گلزاروں تک

برسوں پہلے رستے پہ اک جوگن تھی
جس کے نقش ملے ہیں تم کو غاروں تک

مجھ کو اپنی منزل کا احساس نہیں
میرا رستہ انجانے بازاروں تک

جن کی جبیں سے نام ہویدا رَب کا تھا
لے جاؤ سر میرا ان سرداروں تک

غزلوں کا ہر لفظ تیرا ہی پیکر ہے
پھیل رہا ہے عکس تیرا شہ پاروں تک

شیدؔا ! کیا سیمابی فطرت پائی ہے
ذکر تیرا ہر محفل میں فنکاروں تک

"آگ"

لے لو اپنی اپنی آگ
بانٹ لو بستی بستی آگ

وہ بھی کیسا منظر تھا   جلتا پانی بجھتی آگ
مت چھیڑو اس ڈائری سے   رہنے دو یہ میٹھی آگ
کس نے آکر دستک دی   کوئی چلتی پھرتی آگ
اوس کے قطرے دفنا لو   موسم نے بھی پہنی آگ
آکے میری محفل میں   دیکھو میری سلگتی آگ
اب کے بھی برساتوں میں   رم جھم رم جھم برسی آگ
اف یہ تپتی ریت شباب   ہائے وہ بچپن میٹھی آگ
بنجاروں کی بستی میں   بھرلی جھولی جھولی آگ
رسوائی کا عالم دیکھ   بھیگی پلکیں بہتی آگ
یہ رشتہ کب جوڑو گی   میرا گھر اور تیری آگ
بچ کے رہیو پردوں سے   پردوں میں ہے دھیمی آگ

آگ کا شاعر شیدا ہے
پھونک رہا ہے دل کی آگ

لوگ

جانے کس اُمید پر کیا کیا بتا دیتے ہیں لوگ
ایک بنجارے کو کیوں گھر کا پتہ دیتے ہیں لوگ

خونِ دل سے ہم جلا دیتے ہیں لفظوں کے چراغ
غم کے افسانے اندھیروں میں پڑھا دیتے ہیں لوگ

پل جھپکنے کی بھی فرصت دی نہ اشکوں نے کبھی
کون سویا ہے بھلا کس کو جگا دیتے ہیں لوگ

میری منزل کے نشان ہیں گرد کی آغوش میں
میں نہ پتھر ہوں کہ رستے سے ہٹا دیتے ہیں لوگ

غم کا ہر طوفان سمائے ہے جگر کی کوکھ میں
اور وہ کیا ہے کہ جو سر پہ اٹھا دیتے ہیں لوگ

کیا جبینوں پر ابھر آئے ہیں سجدوں کے نقوش
اور دامن میں گناہوں کو چھپا دیتے ہیں لوگ
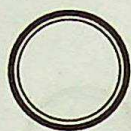
بستی بستی پہرا دیکھ
گلشن گلشن صحرا دیکھ

موسم کی سرگوشی سن
اپنا آنچل لہرا دیکھ

وہ بھی کیسی آہٹ تھی
آنسو ٹھہرا ٹھہرا دیکھ

تو بھی شاید اپنا تھا
آئینے میں چہرا دیکھ

میں کچھ کہنا چاہتا ہوں
کوئی اندھا بہرا دیکھ

چوٹ لگی ہے شیدؔا کو
زخم ہے کتنا گہرا ، دیکھ

لٹتی آہ کی ڈولی ہے
غم کے سر پر سہرا دیکھ
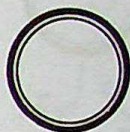
حرفِ دامانِ غزل
نقطہ بر رُخ بر محل
میں نہیں تھا کون تھا
اک شناسا ہم شکل
اے کہ چشم آب جو ،
بے توقف تیز چل
پھر وہی غم کی ہوا
اب کے کچھ موسم بدل
سو رہی ہیں تتلیاں
اوڑھ کر رنگیں کمل
بانٹ لو اک اک لکیر
کاٹ لو دو چار پل
شامِ غم ، صبحِ امید
یوں نہ عجلت میں مچل
آس کے منظر بھی ہیں
پر ذرا آہستہ چل
کھو گئے شیدا کہاں
گرنے سے پہلے سنبھل
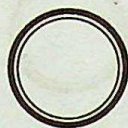
پلکوں پہ جگر آئے بھی ماتم نہ کریں ہم
غم اتنے دے یارب کہ کوئی غم نہ کریں ہم
صحرا کی طرح پیاس کی شدت بھی سہے آنکھ
موسم بھی بدل جائے تو پرنم نہ کریں ہم
بے داغ جبیں اس پہ سلگنے کی تمازت
آوارگی شوق میں سر خم نہ کریں ہم
رہنے بھی دو پلکوں پہ چراغوں کی روشنی
زلفوں میں چھپی راتِ کو برہم نہ کریں ہم
اس موڑ پر گر لوٹ کے مل جائے ناگہاں
نظروں سے ملاقات بھی باہم نہ کریں ہم
تصویر تیرے حسن کی آنکھوں میں سمیٹے
تسخیر دل کی آہ سے عالم نہ کریں ہم
پھولوں کا جگر چاک ہے رودادِ قفس سے
فرقت کے ان لمحات کو یوں کم نہ کریں ہم
گر لمحۂ فرصت سے ہے محروم یہ شیدا
شعروں میں رہے ذکر تیرا کم نہ کریں ہم
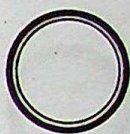
دوست بھی غیر بن کے ملتے ہیں
کچھ تو رستہ بدل کے چلتے ہیں

کس کو اپنا کہوں ، کہ اپنوں کے
آستینوں میں سانپ پلتے ہیں

ڈوبتی سسکیاں ہیں کمروں میں
سیڑھیوں پر چراغ جلتے ہیں

اشک سوکھے ہیں ، پھر بھی پلکوں پر
پھول دو پھول اب بھی کھلتے ہیں

عمر کب پوچھتے ہیں پیڑوں سے
اُٹھ کے طوفاں جب مچلتے ہیں

وقت خود تو بدل نہیں جاتا
صرف حالات ہی بدلتے ہیں

اپنی آہیں سمیٹ لو شیدؔا
سنگدل تو کہاں پگھلتے ہیں
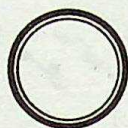
غم سے غم کا حساب رکھتے ہیں
آنسوؤں کی کتاب رکھتے ہیں

آنے والا خزاں کا موسم ہے
ہم بچا کے گلاب رکھتے ہیں

خاک اوڑھی ہے اپنی تعبیریں
لوگ پلکوں پہ خواب رکھتے ہیں

اشک برسیں تو کیا بجھا پائیں
آگ وہ لاجواب رکھتے ہیں

خود کو پاتے ہیں گم اندھیروں میں
سر پہ جو آفتاب رکھتے ہیں

چھین لیتا ہے وقت یادیں بھی
ہم بچا کے عذاب رکھتے ہیں

تو نہیں ، یاد ہی سہی تیری
دھڑکنوں میں جناب رکھتے ہیں

دشت و صحرا وطن تیرا شیدا
سبز اپنا سَراب رکھتے ہیں

"موسم"

بارشوں میں دھلا ہوا موسم
آگیا ہے گناہ کا موسم

مرمریں تن پہ چاندنی بکھری
یوں نہ دیتا ہے بد دُعا موسم

مڑ کے دیکھا حسین نظروں سے
جاتے جاتے بدل دیا موسم

زلفِ برہم میں ہاتھ یوں پھیرا
انگلیوں پر گھما دیا موسم

سرسراہٹ ہوا کی کہتی ہے
لوٹ آئے گا بے وفا موسم

کاغذی پھول مصنوعی تتلی
آج کل ہے عجیب سا موسم

آگہی کی نئی صلیبوں پر
خود گواہ اپنا بن گیا موسم

میرے آنگن کے سوکھے پیڑوں کا
ذکر کرتا ہے جابجا موسم

بن گرجتے برس گئے بادل
جنگلوں میں چلا گیا موسم

ان کی یادوں کی اتنی کثرت ہے
آج کتنا ہے پرُفضا موسم

شاعری کی نئی طرح شیدؔا
وجہ اس کی ہے کھردرا موسم

"آگ"

شہر میں پھیلی کالی آگ
بھاگ یہاں سے بھائی بھاگ
پیلا موسم ، پیلے ہونٹ
جی لے ، کھالے ، پیلی ساگ
اشک پلک پہ رشکِ صلیب
خشک ہتھیلی سوکھی جھاگ
شب نے ڈس لی سحر تیری
جاگ رے، غافل جاگ رے جاگ
قوسِ قزح کے ماتم میں
اوس میں ڈوبے پیاسے ناگ
شام اندھیری پاگل رُت
درد کی سانسیں غم کا راگ
آنچل آنچل برقِ حنا
دامن دامن آگ ہی آگ
بچپن ، حسن ، جوانی ، شوق
سب کچھ دے آئے ہیں تیاگ
الٹی سب تدبیریں ہیں
پنچھی قسمت ڈور نہ باگ
شیدا تیری آنکھوں میں
مدھم مدھم ویری ناگ(۱)

(۱) مشہور چشمہ۔ دریائے جہلم کا منبع۔
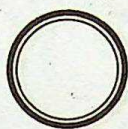
ایک مدت سے رہا ہوں تپتے سورج کا اسیر
تھام کر مجھ کو بھی لے لو سایۂ دیوار میں

زندگی کے راستے کتنے سمٹ کر رہ گئے
اپنے ہی ماضی سے اب کرنے لگا انکار میں

کہکشاؤں کی طرح ہم نے سجا رکھے تھے خواب
ایک ویرانی سی پائی جب ہوا بیدار میں

اس شہر میں آہ کرنا جرم ٹھہرائیں گے اب
سرخیوں میں چھپ کے آئی ہے خبر اخبار میں

مجھ سے سب کچھ چھین لو اتنا مگر رہنے تو دو
قطرہ ہائے گریہ میرے آنسوؤں کے ہار میں

آبروئے عاشقی ہے عشق کا دیوانہ پن
درد و غم میں اشک باری سے نکھر جاتا ہے فن

کب تلک لیں گے سہارا ریت کی دیوار کا
راستے خود ہی بنا لیتا ہے بحرِ موجزن

اشک آلودہ نگاہوں کو مزاروں کی تلاش
گم ہوئے ہیں کیسے کیسے شوخ بے گور و کفن

میرے آنگن میں کبھی یوں بھیڑ لگتی ہی نہ تھی
کھو دیا میں نے کہاں اپنا وہ پہلا سا بدن

شعلۂ تقدیر نے سب کچھ جلا کر رکھ دیا
ہم تو کہتے تھے کہ ہے رشکِ جناں اپنا چمن

کس نے اس غارت گری کا فن تجھے سکھلا دیا
ایک ہی دیوار سے پیدا کئے ہیں دو صحن

وادیٔ گلپوش تیرے غم میں ہم بھی ہیں شریک
ہیں سلگتی ریت کے صحرا میں کب سے خیمہ زن

آج سے پہلے بھی دستورِ جفا تھے نت نئے
اب تو ہر دیوار کے سائے میں ہیں دار و رسن

ان ہواؤں میں لکھیں گے اپنے دل کی وہ کتاب
جس سے تیرے شہر کی شاداب ہو ہر انجمن

مر گئے شیداؔ کرو کچھ تو کفن کا انتظام
مانگ لو محبوب سے کوئی پرانا پیرہن
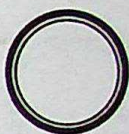
کس بے وفا کی آنکھ سے ٹپکا لہو بدن
موسم کھلا یہ کون سا پت جھڑ میں اے چمن
پھر چشمِ تر کا ذکر کرے ہے ہوائے گُل
پھر تتلیوں کا درد بکھرتا ہے باغ وُبَن
دیوانگی میں جانے کہاں ہم نے کھو دیا
ٹکڑے تھے اپنے دل کے گلوں کا وہ بانکپن
راہِ وفا میں خارِ مغیلاں ہیں ہر طرف
ہو صبر و ضبط کم اگر، آنکھوں میں اشک بن
ماضی کا درد ہم نے ابھی یوں سلا دیا
جیسے کہیں سراب میں ہو تشنگی دفن
شب کی خموشیوں میں زمانہ بھی سو گیا
میں ہوں کہ رات بھر میرا دُکھتا رہا بدن
کوئی نہیں ہے پاس تیری یاد کے سوا
بکھرا پڑا ہوا ہے میری زندگی کا فن
سینے کی دھڑکنوں میں ہیں سرگوشیاں عجیب
شاید کسی کی جستجو میں پھر ہے کوہکن
رسوائیوں کا داغ ہے شیدا تیرا خلوص
تو غیر کا ہوا ہے ترا اب نہ من نہ تن

❖ ❖ ❖

اک طلسماتی سا ہے پہرہ ہمارے درمیان
وقت سے پوچھو کہ کب ٹھہرا ہمارے درمیاں
آج بھی میں پوچھتا ہوں تم سے یہ اپنا سوال
کون تھا وہ اجنبی چہرہ ہمارے درمیان
پھیلتی رہتی ہیں کیوں اب بھی حِنا کی وسعتیں
جھولتا رہتا ہے کیوں سہرا ہمارے درمیان
وہ تیرے عارض پہ گیسو حلقۂ ابرِ سیاہ
چودھویں کا چاند سا ٹھہرا ہمارے درمیان
بانٹ کر بھی ہم اسے اپنا نہیں سکتے کبھی
ایسا اک رشتہ بھی ہے گہرا ہمارے درمیان
ایک دن زرخیز ہو جائے گا اشکوں سے مِرے
یہ سلگتی ریت کا صحرا ہمارے درمیاں
ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل جائے گا شیداؔ تجھے
پھیلتا رہتا ہے اک کُہرا ہمارے درمیاں
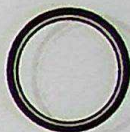
رُت بدلتی ہے تو لمحے بھی گزر جاتے ہیں
لوگ بھی کیا ہیں کہ وعدوں سے مکر جاتے ہیں

ضبطِ ایماں ہے اسی چشم حیا سے یا رب
تیر و نشتر سے کبھی دل میں اتر جاتے ہیں

خواب آتے ہیں سمٹ کر میرے خیمے میں کبھی
رات جاگے ہی یہاں کر کے بسر جاتے ہیں

دِل میں طوفاں سا اٹھا دیتی ہے آہٹ تیری
تُو ٹھہر جائے تو دریا بھی ٹھہر جاتے ہیں

یہ حقیقت ہے کہ منزل کے نشاں ہیں رنگیں
خون آشام مگر میرے سفر جاتے ہیں

خستہ آنکھوں پہ جلا دیتے ہیں اشکوں کے چراغ
برف کی طرح ہواؤں سے ٹھٹھر جاتے ہیں

موسم نو بھی تو آنچل میں اسی کے ہو گا
ہم سے مت پوچھ نہ جیتے ہیں نہ مر جاتے ہیں

خاک اڑنے نہیں دیتے ہیں نشیمن والے
یوں وفاؤں کے بسائے بھی شہر جاتے ہیں

رہ گزر جس کی بنے وادیٔ قیس اے شیدؔا
وہ بھلا جانے کہاں آئے کدھر جاتے ہیں
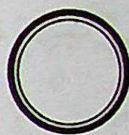
تو نہیں تو بندگی کے واسطے کعبہ نہیں
پھر جبینِ شوق میں پنہاں کوئی سجدہ نہیں

شام ہوتے ہی جلائے ہم نے پلکوں پہ چراغ
ماہ و انجم یوں فلک پر ہو گئے پیدا نہیں

یہ عنایت کا حسیں منظر بھی کیسا پُرفریب
جس کو میں سمجھا تھا اپنا وہ میرا اپنا نہیں

بس وہی مبہم سے خاکے گرد کی آغوش میں
اور جبیں پر آج تک اک لفظ بھی لکھا نہیں

پیڑ پر سارے پرندے مر گئے ہیں تشنہ کام
تیرے چھو لینے سے شاید پیڑ تو سوکھا نہیں

ایک تحفہ تھا تیری پہلی نظر کا حادثہ
آنکھ سے ٹپکا لہو پر وہ نشہ اترا نہیں

وسعتِ صحرائے مجنوں کے ہمیں وارث ہوئے
ایک دیوانہ ہے ، شاعر تو علی شیدا نہیں

❖ ❖ ❖

اب وہ پہلا سا بدن دکھتا نہیں
اور یہ رونا میرا رکتا نہیں

رات کو سورج بھی آئینوں میں تھے
پتھروں سے چاند کیوں اگتا نہیں

توڑ تو سکتا ہے صدیوں کا سکوت
ہاں مگر اک بات کہہ سکتا نہیں

آ کے پروانے جہاں کرتے تھے رقص
اس دریچے پر دیا جلتا نہیں

کس عجب موسم کا یہ منظر کھلا
پیڑ کا پتہ بھی اب ہلتا نہیں

قاتلوں کا شہر مقتل ہے عجیب
خون کا قطرہ کہیں ملتا نہیں

ظلم کا پہرہ ہے پگ پگ پر لگا
سچ بچارے کا کہا چلتا نہیں

ہر گلی ہر رہ مزارِ بے نشاں
"نیوز" میں لیکن کوئی مرتا نہیں

ظلم کے مقتل سجیں گے کب تلک
کیا کسی کی بھی خدا سنتا نہیں

روشنی حق کی ملے شیدا جسے
وہ اندھیروں سے کبھی ڈرتا نہیں

کوئی پردہ کوئی چلمن نہیں ہے
اب عشق و حسن میں ان بن نہیں ہے

میرا چہرہ مجھے ڈھونڈے گا کب تک
میرا چہرہ میرا درپن نہیں ہے

چرا کے لے گیا ہے کوئی شاید
نظر آتا کہیں بچپن نہیں ہے

سڑک پر پھینک دو ان آئینوں کو
کہ دل پہلو میں ہے دھڑکن نہیں ہے

مکاں کی چھت پہ ہے موسم خزاں کا
بہاروں کے لئے آنگن نہیں ہے

میرے گھر کا پتہ پوچھو گی کس سے
فقیروں کا کوئی مسکن نہیں ہے

ٹپکتے تھے حنا سے خوں کے قطرے
مگر اشکوں سے تر دامن نہیں ہے

نہ جس میں خونِ دل شامل ہو شیداؔ
حقیقت میں وہ کوئی فن نہیں ہے

●●●
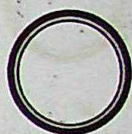
دیکھنا پڑتا ہے اپنے شہر میں کیا کیا مجھے
اپنا چہرہ بھی نہیں لگتا ہے اب اپنا مجھے

جاتے جاتے مجھ پہ وہ ظالم ہوا یوں مہرباں
آنسوؤں کا اک سمندر دے گیا تحفہ مجھے

سبزۂ نورُستہ پر شبنم سے اشکوں کے حروف
غم کا سورج شاخِ مُژدہ پر گیا لٹکا مجھے

ہوش نے لوٹا خیال یار کا میٹھا سکون
ہاتھ سے کوئی پرندہ جیسے یوں چھوٹا مجھے

شہر کی کچی سڑک پہ ان کے قدموں کے نشان
پیار بچپن کے کھلونوں سے بہت ہی تھا مجھے

پھر نہیں دیکھا کہیں میں نے کبھی اس شخص کو
بھول کر کچھ دور تک جو ساتھ آیا تھا مجھے

میرے سرہانے ہٹا دو شربتِ اکسیر کو
سانس لینے دو ، لگا ہے زخم اک گہرا مجھے

ٹوٹے آئینے میں کوئی ہم شکل اک شخص تھا
کس کی خاطر جی رہا ہوں بس یہی پوچھا مجھے

درد کے ہر موڑ پہ ملتا ہے اک خانہ بدوش
میں بھلا اس سے کہوں کیسے ، بتا رستہ مجھے

تھا کرشمہ حسن کا گلیوں میں آوارہ رہا
اب کسی صحرا میں بھی ملتا نہیں شیدا مجھے
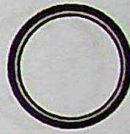
ہر روز شب گزیدہ سحر دیکھ رہے ہیں
تنہائیوں کا اپنی ، سفر دیکھ رہے ہیں

پلکوں پہ میرے اشک یا کانٹوں پہ ہے شبنم
خوںناب بہاروں کا ثمر دیکھ رہے ہیں

کل رات میرے ساتھ نہ تھا چاند نہ بادل
دامن پہ کس کا خونِ جگر دیکھ رہے ہیں

شہر جنوں میں شور ہے وہ دیکھو جیالے
ہاتھوں پہ لئے کاسۂ سر دیکھ رہے ہیں

شاید ہوا ہے لوٹنے میں ہم سے تساہل
بستی کہیں نہ کوچہ نہ گھر دیکھ رہے ہیں

اڑتی ہے وہی خاک وہی آگ فلک بوس
روتی ہے آنکھ خون جدھر دیکھ رہے ہیں

اُگتے ہیں اب ببول جزیروں میں بے شمار
موسم کے بدلنے کا اثر دیکھ رہے ہیں

مدت سے ہیں جو تیری محبت کے طلبگار
ہو جاتے ہیں شعلوں کی نذر دیکھ رہے ہیں

یہ ولولے ہیں، پار سفینے کو لگا دیں
طوفاں پہ جمائے ہیں نظر دیکھ رہے ہیں

بکھرا ہوا وہ خواب ابھی یاد ہے شیدؔا
تعبیر اس کی "جمع" مگر دیکھ رہے ہیں
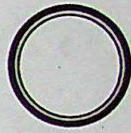
اس درجہ شہر زخم جگر کی نمو کریں
رنگِ شفق سے روئے شبِ غم لہو کریں

جاں سے گزر گئے بھی وفا حرفِ سلامت
مقتل پہ سر بہ سجدہ دعائے عفو کریں

یادیں مسل چکی ہیں محبت کے حادثے
اب تو رِدائے خستہ میں ہم کیا رفو کریں

دل سے چلی ہے آہ پلک پر جلے چراغ
آتشِ فشاں ہو اشک ضیاء سو بہ سو کریں

اک دوسرے پہ ہنس کے گزاری ہے زندگی
اب آؤ مل کے حال بیاں روبرو کریں

ہر سمت ہے زباں پہ تیرے قتل کی مٹھاس
رسمِ شہر عجیب ہے نذرِ گلو کریں

ہر شئے فصیلِ شہر میں بے اختیار ہے
دامن کہاں پساریں کہاں جستجو کریں

وادیٔ پُرخار

داستانِ موسمِ گل مت سُنا بے کار میں
مدتوں سے رہ رہے ہیں وادیٔ پُرخار میں

حسن کے جلووں میں خوشبو کی طرحداری سمیٹ
ورنہ بک جاؤ گی پھولوں کی طرح بازار میں

اپنے سینے سے کھلونوں کو لگا لیتے ہیں ہم
شب کو سنتے ہیں صدا بچپن کی ہم دیوار میں

جس نے رسوائے زمانہ کر دیا اپنا خلوص
بات کیا ایسی بنی تھی درد کے اظہار میں

جانے کیوں اشکوں سے جلتے تھے امیدوں کے چراغ
ورنہ اک مرگِ سہل تھی جملۂ انکار میں

مانگتی ہے زندگی کچھ اور بے معنی حروف
کس تمنا کی یہ خوشبو ہے دلِ بیمار میں

پھر کبھی ہم نے نہیں کی آرزوئے میکشی
کیا کہیں ، کیسا نشہ تھا جلوہ دیدار میں

تیرے آنے سے کھلے ہیں شہر میں نیلے گلاب
کونسا موسم لکھیں گے سرخئ اخبار میں

ڈھونڈتا ہے شہر میں ہر شخص شیداؔ کی غزل
ہے جھلک یہ کس کے جلوؤں کی مرے اشعار میں
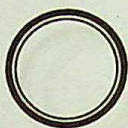
عظمتوں کا حسیں سماں دیکھوں
غم سے مانوس یہ جہاں دیکھوں
کون سے بے سمے کا موسم ہے؟
سلوٹیں ہیں کہ کہکشاں دیکھوں
رات بھر ہم بھی جاگتے بیٹھیں
کب چھلکتا ہے آسماں دیکھوں
جگنوؤں کی برات لے آؤ
اشک پلکوں پہ ضوفشاں دیکھوں
مجھ کو اپنا پتہ نہیں ملتا
میں کہاں ہوں کہاں کہاں دیکھوں
جس کے ہوں ریت کے در و دیوار
دشت میں وہ نیا مکاں دیکھوں
پھر بنے یا بنے نہ یہ منظر
برق دیکھوں کہ آشیاں دیکھوں
لذتِ غم بھی کم نہیں رنگین
اشک شیدا لہو رواں دیکھوں

غم ہی غم ہیں کیا غم کر لیں
کس کس بات پہ ماتم کر لیں
آنسو پونچھے بھی تو کوئی !
اپنی آنکھیں کیوں نم کر لیں
عشق میں یہ سوغات ملی ہے
درد کو ہم کیونکر کم کر لیں
عہدِ وفا کی حرمت قائم
آپ کریں گے کیا ؟ ہم کر لیں
دل آوارہ جب سرکش ہو
کس کے آگے سر خم کر لیں
تپتی سلگتی ان راہوں کو
اشک بہا کے شبنم کر لیں
سایہ بھی ہم سے بھاگے ہے
تنہائی کو ہمدم کر لیں
دل ایسا اخبار ہے شیدا
خوں سے سرخ ہر کالم کر لیں
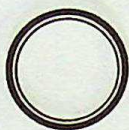
جب بھی وہ اس شہر میں ہوتے ہیں
خوب جلوے نظر میں ہوتے ہیں
عشق صحرائے نجد میں بھی ہو
تذکرے بحر و بر میں ہوتے ہیں
واہ نظر کی کرشمہ سازی ، واہ
تیر و نشتر جگر میں ہوتے ہیں
شامِ فرقت کی آہ کے ٹکڑے
بھیگی بھیگی سحر میں ہوتے ہیں
کچھ تو جگنو بھی تھے ہتھیلی پر
کچھ تو سائے بھی گھر میں ہوتے ہیں
اپنا درماں ہے آبلہ پائی
خار کس رہ گزر میں ہوتے ہیں؟
کاغذی پھول تتلیاں نقلی
ہم سفر کیا سفر میں ہوتے ہیں؟
آنسوؤں سے ڈھلی غزل شیدا
بے ہنر بھی ہنر میں ہوتے ہیں
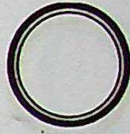
چرچا ہے یہی عام تیرے انتظار میں
ہونے کو ہوئی شام تیرے انتظار میں

پلکوں پہ جلائے ہوئے رکھے بھی تھے چراغ
اشکوں سے بھرے جام تیرے انتظار میں

ہر سمت وہی درد اور حسرت کے دریچے
غمگین ہیں دروبام تیرے انتظار میں

مانوس سی سرگوشیاں خاموش فضائیں
وہ غم کہ جگر تھام تیرے انتظار میں

جاگے تھے مہ و اختر و انجم بھی میرے ساتھ
سوئے نہ ہم تمام تیرے انتظار میں

ہم بھول گئے اپنے پرائے بھی خدا بھی
بگڑے ہیں سبھی کام تیرے انتظار میں
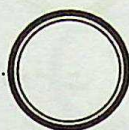
رخ پہ نیلے گلاب آئے ہیں
موسم لاجواب آئے ہیں

خطہ میں سوکھے گلاب آئے ہیں
کیسے کیسے جواب آئے ہیں

ڈر سا لگتا ہے اب کھلونوں سے
وہ نئے انقلاب آئے ہیں

خم لنڈھاوو کہ عام مئے کر دیں
عاشقانِ شراب آئے ہیں

بے حجابی ہے ان حجابوں میں
واہ رے کیا نقاب آئے ہیں

دھوپ نکلی ہے پہلے موسم کی
بام و در پر شباب آئے ہیں

قتل ہوتے تو بات کچھ ہوتی
رُک کے رُک کے عذاب آئے ہیں

درد و غم کی غزل ہے محفل میں
یہ تو شیدؔا جناب آئے ہیں

❖ ❖ ❖
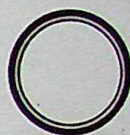
ہر صبح میری، دست تمنا پہ تشنہ جاں
ہر شام میری خونِ شفق شام غریباں

اپنی تو یہی رسم یہاں خاک ہو گئے
جانے چراغ تا بہ سحر کیوں تھے ضوفشاں

اشکوں کے ٹپکنے کی صدائیں بھی دلفریب
راتوں کو ہتھیلی پہ سجائے ہیں کہکشاں

دامن پہ حیادار نگاہوں کی بارشیں
سینے پہ اچھلتا ہے دوپٹے کا آسماں

جس رات تیرے ہاتھ ہوئے سرخ حنا سے
چہرے پہ اسی رات لکھی زرد داستاں

اس درجہ زمانے کی ہوا تیز چلے گی
یہ جانتے تو یوں نہ بناتے ہم آشیاں

ناکامیوں کے پھول نچھاور نہ کریں گے
ممکن ہے کسی موڑ پہ مل جائے مہرباں

آنکھوں میں صنم لاکھ مگر دل میں حرم ایک
بستی میں نہیں میرے سوا کوئی مسلماں

● ● ●
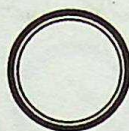
ایک ہی غم سے ہوا دو چار ہوں
درد کے ہندسوں کا ساہوکار ہوں

میں مسیحا کے شہر کا ہوں مکیں
یہ الگ سی بات ہے بیمار ہوں

لمحۂ فرصت میں پڑھ لینا مجھے
میں گزشتہ روز کا اخبار ہوں

لشکرِ غم کارواں در کارواں
اور اس لشکر کا میں سالار ہوں

یا تبسم کی خریداری نہیں
یا سرکتے اشک کا بازار ہوں

عکس وحشت کا ہے اس میں جلوہ گر
کانچ کے ٹکڑوں کی اک دیوار ہوں

میں کسی تمہید کا قائل نہیں
عظمتِ لا میں نہاں اظہار ہوں

آندھیاں بکھرا گئیں تعبیر کو
ریتلے خوابوں کا اک سنسار ہوں

خواب کی تعبیر ، ساحل دور ہے
میں سفینہ بیچ اِک منجدھار ہوں

شعر ، شیداؔ ہے تو لافانی وجود
اور جو فانی ہے وہ شہکار ہوں
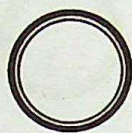
پانیوں میں سَراب دیکھے ہیں
ہم نے ایسے بھی خواب دیکھتے ہیں

کچھ تبسم کے حادثے بھی تھے
کچھ تو جشنِ عذاب دیکھے ہیں

چاند اترا ہے درد کے آنگن
زرد موسم شباب دیکھے ہیں

خار کی نوک جیسے تر مژگان
خوں ٹپکتے گلاب دیکھے ہیں

قیس و فرہاد ہو کہ ہو رانجھا
عشق کے سب حساب دیکھتے ہیں

صبح کو چاندنی ملی سوغات
رات کو آفتاب دیکھے ہیں

غم بھی ماتم کناں ہے ، شیدا نے
وہ حسیں انقلاب دیکھتے ہیں

شبِ غم کی طرحداری نہ پوچھو
دلِ مضطر کی بیماری نہ پوچھو
پرانے غم تو پتھر ہو گئے ہیں
نئے کیوں اشک ہیں جاری، نہ پوچھو
وہ منظر اب بھی میرے سامنے ہے
وہ منظر کی تباہ کاری نہ پوچھو
یہ بازی ہم تو ہاریں گے، خبر تھی
مگر یہ کس طرح ہاری، نہ پوچھو
گریباں چاک ہے دیوانہ اپنا
جنوں کی تازہ فنکاری نہ پوچھو
ہماری آہ پہ بھی پہرے لگے ہیں
شعورِ غم کی بیداری نہ پوچھو
وہی شیدا وہی شعلہ بیانی
مگر یہ خود سے بیزاری نہ پوچھو

نیلام

اپنے اپنے خوابوں کو نیلام کرو
چھُوٹے جب یہ بستی اعلان عام کرو

دھوپ کے نشتر اندر اترے جاتے ہیں
آنکھیں ترسیں شب آئے وِشرام کرو

پھولوں کے اس شہر کی خوشبو جھوٹی تھی
کانٹوں کے اس جنگل میں کیا شام کرو

نہلا دو تیزاب میں تم ہر تتلی کو
موسم ہے کچھ تصویروں کا کام کرو

بازاروں میں بھیڑ لگی ہے واپس آؤ
اپنی سوکھی آنکھوں کو ہی جام کرو

حسن کا اپنا دامن بھی محفوظ نہیں
عشق جہاں مل جائے اُسے بدنام کرو

اور سمیٹوں سوکھے پتے آنچل میں
ہر اک لفظ کے معنی کو ابہام کرو

مت توڑو رنگین کھلونے یادوں کے
بچپن کا سنہرا سا کچھ کام کرو

گیت نہیں وہ غزل نہیں اشعار نہیں
شیدا ان کا اچھا سا اک نام کرو

دوستو

زندگی پیاسے سرابوں کا شہر ہے دوستو
ٹوٹتے رنگین خوابوں کا شہر ہے دوستو
بے زباں، بے ربط بے جاں اور بے معنی حروف
پھیکے عنواں کی کتابوں کا شہر ہے دوستو
درد کا احساس آنکھوں سے چھلکتا ہے وجود
کاغذی پیکر گلابوں کا شہر ہے دوستو
کچھ تسلسل ہے یہاں آہ و بکا اشک و لہو
اَن گنت رستے عذابوں کا شہر ہے دوستو
راستوں پر مفت میں بکتے ہیں نظروں کے سوال
اور بِن چاہے جوابوں کا شہر ہے دوستو
تھام کر چلتے رہو اپنے یہ برفیلے جگر
دھوپ میں جلتے نقابوں کا شہر ہے دوستو
ایک ہی شیدا ہے جس کے سر ہے الزامِ گناہ
کیا کہیں پر بھی ثوابوں کا شہر ہے دوستو؟

❖ ❖ ❖

دلِ سرکش خیال باغیانہ
محبت یاد جو کر لے زمانہ
پلٹ کر دیکھنے والو ، نہ دیکھو
تیرے پیچھے ہے یہ ظالم زمانہ
تیری یادیں ہیں میری زندگانی
انہیں رہنے دو اِن کو مت چرُانا
یہ دل کا درد ہے ان دھڑکنوں میں
بہت مشکل ہے اب وعدہ نبھانا
مہکتے پھول سانسوں میں بکھر کر
نظر بادِ صبا آکر لٹانا
زباں پہ آہ اٹک کر رہ گئی تھی
مگر پلکوں نے سیکھا ہے رُلانا
میری منزل یہی خانہ بدوشی
تیری چاہت ہے میرا آشیانہ
وہ حیرانی کا منظر تھا کہ تصویر
گری دیوار سے خود ہی شبانہ
مداوائے ستم دارورسن ہے
وفاداری کو پھر کیا آزمانا
میرا محبوب ہے میرا صنم ہے
مجھے ہی لوگ کہتے ہیں دِوانا

❖ ❖ ❖

پہلی دُعا

شب فرقت کی پہلی ہی دعا ہے
مسلسَل غم ہے جس کی یہ سزا ہے

نگاہوں سے نمی چھینی ہے تم نے
مگر دامن میرا اب تک گواہ ہے

بہارِ ناتواں آنچل سمیٹو
کہ دور غم میرا کافی بڑا ہے

مریض عشق ہوں اے ہم نشینو
نگاہِ ناز ہی میری دوا ہے

بُھلا پایا نہ جس کو چاہتے بھی
گناہ ایسا میں کر بیٹھا ہوں کیا ہے

ابھی ٹوٹی نہیں رسمِ شبستاں
ابھی تک سامنے دستِ حنا ہے

سفر کی انتہا سمجھا تھا جس کو
وہ رستہ بھولنے کی ابتداء ہے

تیرا ذوقِ قلم شیدؔا سلامت
یہ درد و غم کا میٹھا سلسلہ ہے
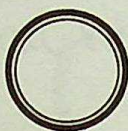
روکو نہ جنازہ آج میرا بس اپنی دعا دو اچھا ہے
اس شہر کی جھوٹی بستی سے کچھ دور سلا دو اچھا ہے

جس شخص کے آنے میں ساری رنگین بہاریں بیت گئیں
اس شخص کی میری تربت پر تصویر بنا دو اچھا ہے

حسرت کی جلی یہ راکھ بُجھے سینے میں تڑپتے انگارے
کچھ اشک رکے ہیں پلکوں پہ بے موسم ہَوا دو اچھا ہے

سورج کی شعائیں ڈوب گئیں گیسو کے بحر کی موجوں میں
اب چاند بھٹکنے نا پائے چہرے کو چھپا دو اچھا ہے

پل پل کے رقص میں بچپن کے مانوس سے چہرے ملتے ہیں
ہاتھوں پہ گلوب کے گیندوں کو رک رک کے گھما دو اچھا ہے

اے جانے والے راہی سن مل جائے مسیحا، کہہ دینا
جینے کی تمنا ختم ہوئی مرنے کی دوا دو اچھا ہے

ہاں عمر کے ڈھلتے موسم میں اس شئے کی ضرورت پڑ جائے
جیون کے ادھورے خوابوں کو سینے میں چھپا دو اچھا ہے

ویراں ہے مزارِ درویشاں بے برگ شجر، بے سبزہ زمیں
اے صبح بہاراں بوئے جناں سوسن کا پتا دو اچھا ہے

گر تم سے کوئی انجانا شیدؔا کے دوار کو پوچھے گا
کس دیس گیا معلوم نہیں ہاں اتنا بتا دو اچھا ہے
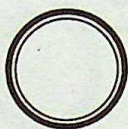
تم بھی آئینوں کو توڑو پتھر سے
میں بھی شاید ٹوٹ رہا ہوں اندر سے

تنہائی کے جام بہت ہی کڑوے ہیں
سوچ رہا ہوں کیسے بھاگوں شب بھر سے

دروازے پر کون یہ دستک دیتا ہے
اٹھنے کی طاقت ہی نہیں ہے بستر سے

دھیمی دھیمی آنچ پہ جیسے بادل ہوں
برکھا رُت کا موسم ہے پر کیا برسے

ایسا "سورج آنچل" چاند پہ مت ڈالو
ایسا موسم پانی کو شبنم ترسے

آج نئے انداز میں دامن پھیلا دوں
کل بھی خالی ہاتھ اٹھا ہوں اس در سے

لفظوں سے کیا رستے اُبھرتے رہتے ہیں
آتے ہی طوفان گزرتے ہیں سر سے

اشکوں کی موتی سی لڑیاں دامن میں
تارے کچھ تو تم بھی پھینکو اوپر سے

شام کو شاید لوٹ کے آئے گا شیداؔ
روتے روتے صبح کو نکلا ہے گھر سے
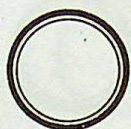
یہ اکیلی شمع گریاں اور ہے
ہاں! مزارِ ماغریباں اور ہے
لالۂ و گل کی زر افشانی نہ پوچھ
چشمِ بلبل کا چراغاں اور ہے
نیم مدہوشی ہے بے ہوشی نہیں
اپنے خوابوں کا شبستاں اور ہے
مختصر سن لے مریض عشق ہوں
ہاں مسیحا! میرا درماں اور ہے
پھول کی پتی سے بھی نازک ترین
دوستو! وہ جانِ جاناں اور ہے
درد کی تلخی میں میٹھی آرزو
میں یہ سمجھا تھا کہ انساں اور ہے
بات روز و شب مہینوں کی نہیں
موسمِ وصلِ دل و جاں اور ہے
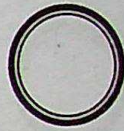
نگاہوں سے دھواں اٹھنے لگا ہے
تیری یادوں کا موسم چھا گیا ہے
میرے ماضی کا اِک اک شوخ لمحہ
متاعِ دشت سا بکھرا پڑا ہے
اٹھی نظروں میں خو، غارت گری کی
جھکی پلکوں پہ پاکیزہ حیا ہے
سبیلِ اشک کی، دستِ یقیں پر
نمی ہے جس میں وہ میری دعا ہے
اسے حرفِ وفا کی کیا ضرورت
جو تمہیدِ کتابِ بے وفا ہے
لگی ہے مہر خاموشی لبوں پہ
گواہ اپنی گناہ کا برملا ہے
وہی پھر شام کے ڈھلنے کا منظر
وہی پھیلا ہوا دستِ حنا ہے
بھنور میں لا کے کشتی جس نے چھوڑی
وہی طوفاں میں میرا ناخدا ہے
غزل ملتی ہے شیداؔ کے قلم سے
کہ جیسے درد کی میٹھی دوا ہے
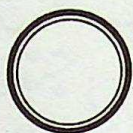
رقص تھا ہم نہ تھے جام تھا، غم نہ تھے
بزمِ ساقی میں کل تھا خدا ، ہم نہ تھے

ہم سفر تھا چراغ تصور تیرا
زندگی کے اندھیرے بھی کچھ کم نہ تھے

جام پہ جام اور لڑکھڑاتے بدن
راستوں کی طرح دھول ، پرچم نہ تھے

ہر طرف تھے خدائی کے جلوے عیاں
سامنے تھا حرم ہم ہی سر خم نہ تھے

بچپنے میں کھلونے جو توڑے گئے
پھر سنی وہ صدا چپ رہے ، غم نہ تھے

ہچکیوں کی کسک آنسوؤں کی چمک
ہم بھی تنہا نہ تھے ، لوگ ہمدم نہ تھے

ڈھونڈتا تھا کسے تتلیوں کا شہر
موسمِ گل میں گیسوئے برہم نہ تھے

کس کی ڈولی چلی کس کی ارتھی اٹھی
شکریہ ہوش! ایامِ ماتم نہ تھے

اک تمنا لئے گل، بکھرتے گئے
ورنہ پھولوں کے سوکھے تو موسم نہ تھے

دامنِ آرزو بھیگی شیدؔا کہاں
دل میں روتے رہے چشمِ پُرنم نہ تھے

جوشِ جنوں

شبِ فرقت، جواں جوشِ جنوں ہے
پلک پہ رقص سوزِ اندروں ہے

ہے یہ مرگِ شناسائی کا موسم
یہ شاخِ صبح ماتم سرنگوں ہے

وہی شب، چاند، میں اور یاد تیری
وہی پلکوں پہ جاری اشک و خوں ہے

یہ کس منظر پہ آ کے وقت ٹھہرا
سسکتی شب کا لمحہ پرسکوں ہے

سلگتی ریت پہ بکھرا تھا سورج
یہ اپنا موسمِ غم جوں کہ توں ہے

ہوا اوڑھی ہوئی ہے سرخ آنچل
فضا بھی نیم بسمِل نیلگوں ہے

پھر آیا اپنے قاتل کا وہ کوچہ
چلو شیدا بہت اچھا شگوں ہے

❖ ❖ ❖

کھو گئے

وقت اور وقت کے درمیاں ہم تو اپنا سفر کھو گئے
روز کوئی نہ کوئی ملا روز اک ہمسفر کھو گئے

سرد آہوں کی یہ ہچکیاں درد کے آسماں میں پلی
رات اشکوں میں ڈوبی رہی صبح تک ہر نظر کھو گئے

دل کے آگن میں بکھری صدا روح کے نجد میں جم گئی
ریت میں پھول کھلتے گئے سورجوں کا شہر کھو گئے

آخری شب کے آنچل تلے آس کی لو تھرکتی رہی
خوں شفق کی دعائیں مری ، زرد سجدے اثر کھو گئے

پانیوں کے بدن پہ تھرکتے گیت تاروں کو چھوتے نہ چھوتے
ساحلوں کے بغل میں سمٹ کر جو بھی تھے منتشر کھو گئے

سرد پانی میں بہتے ہوئے جو آگ کی بستیوں کے محل تھے
دھوپ دوشِ ہوا پر جو اٹکی باغ و بن در بدر کھو گئے

نیم مدہوش آنکھوں کے منظر سرمئی شب کی سرگوشیاں سی
تھا نہ موسم نیا کوئی بھی تو سانپ یوں ہی اثر کھو گئے

کتنی یادوں کا تمہید لے کر شب کو شیدا چراغاں تو کر دے
ڈل کے ماتھے پہ لکھا ہے کس نے ڈھونڈلو کا شمر کھو گئے
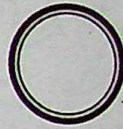
خود پہ اتنا کرم نہ کر پائے
ماتم غم بھی ہم نہ کر پائے
سوئے دار و رسن چلے لیکن
پتھروں کو صنم نہ کر پائے
حالتِ دل ہے تو رحم کے قابل
بہتے اشکوں کا غم نہ کر پائے
چھوٹ جائے نہ میکشی اپنی
ٹوٹ جائے قسم، نہ کر پائے
لو چراغاں کئے ہیں پلکوں پہ
ماہ و انجم بہم نہ کر پائے
عشق رسوائیوں کا عالم ہے
حسن والے رحم نہ کر پائے
ہم وفا پر فدا کریں ایماں
وہ تمیز ستم نہ کر پائے
جان دے دی تو کیا ہوا شیدا
سر مگر اپنا خم نہ کر پائے
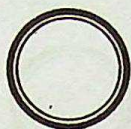
کون جانے کون کل مہمان تھے
ہم رہے نا آشنا نادان تھے

وقت کے کانٹوں سے پھوٹے آبلے
کیا طلبگارِ بہارستان تھے

اپنے ماضی کا سمندر بہہ گیا
ہر نیا لمحہ نیا طوفان تھے

پانیوں میں کیوں ترستے ہیں سَراب
ان حیا نظروں میں نخلستان تھے

رات کے پچھلے پہر تاروں کے بیچ
ابرِ غم سے تر بہ تر دامان تھے

وہ میرا سب کچھ لٹا کر چل دیئے
جو نظر میں صاحبِ ایمان تھے

آگ برساتی رہی دستِ حنا
شعلۂ آتش کدہ حیران تھے

سب نگاہِ یار کی توفیق ہے
کل تلک تو یہ چمن ویران تھے

عشق نے شیدا کو رُسوا کر دیا
ورنہ ہم بھی کام کے انسان تھے

❖ ❖ ❖
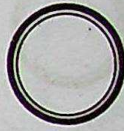
درد کے آنگن نئے موسم کا منظر چاہیے
پھول کے رخسار پر کانٹوں کا جھومر چاہیے

ہم نئے انداز سے کر لیں تمدّن کی تلاش
اشک بہتے ہیں سَرابوں کا سمندر چاہیے

اور کچھ رشتہ نہیں میرا صنم خانے کے ساتھ
جو حرم تک ساتھ ہو آئے وہ کافر چاہیے

اس شہر میں دور تک ساحل ہوئے ہیں غرقِ آب
تیرنے کا فن جسے ہو وہ شناور چاہیے

کون جانے کب تلک یہ شب رہے گیسو دراز
ظلمتوں کے خیمہ زن کو ریت کا گھر چاہیے

اَن گِنت تاروں کے جلتے ہیں شبستاں میں چراغ
روشنی کے واسطے خورشیدِ ، انور چاہیے

تیری راہوں میں بھٹکتی ہی رہے دیوانگی
ہوش میں آنے کو بے ہوشی کا ساغر چاہیے

کچھ عجب سا لگ رہا ہے سجدہ ریزی کا جنوں
ہر نئے غم کو وہی دیرینہ پیکر چاہیے

دھڑکنوں کی لے پہ آئے گی اُبھر اُن کی شبیہہ
ہاں مسلسل سلسبیلِ درد شب بھر چاہیے

شام ڈھل جائے تو دکھتی ہے شفق کی بے بسی
اے رخِ گل آ تجھے ہونٹوں کی شکر چاہیے

آنسوؤں کے پھول مہکائے غزل شیدؔا تیری
آشنا گلشن سے بلبل سا سخنور چاہیے
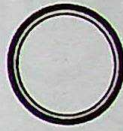
شہر کا جس نے کونا کونا چھانا ہے
غیر نہ کوئی تیرا ہی دیوانہ ہے
اپنے غم کا روپ الگ ہے رنگ الگ
اپنا غم تو ہم جیسا مستانا ہے
تیری یاد میں کچھ لمحے جب کھو جاؤں
اپنا ماضی لگتا اک افسانہ ہے
میں ہی ہوں اب اک مجنوں اس بستی میں
پتھر لے کے آؤ جس کو آنا ہے
میرا جنازہ تیری ڈولی رستہ ایک
ائے سانوریا یہ کیسا یارانہ ہے
کانٹوں پہ دم بھر لوں یا پھولوں کے بیچ
اک پنچھی ہوں آوارہ اڑ جانا ہے
کس کی یاد میں گم سم یہ دیواریں ہیں
جانے کیوں یہ گھر اپنا ویرانہ ہے
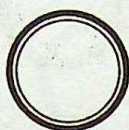
نہ بیدار کچھ چشم پُرتاب ہے
نہ پلکوں پہ کوئی نیا خواب ہے
سمندر پیاسا ، پیاسا میرا
جزیرہ میرا آب در آب ہے
لہو رنگ تحریر و تقریر ہے
جنوں خیز ہر صفحہ ہر بات ہے
بہاروں کی دوشیزگی تار تار
ادھر موسم گل بھی خوں ناب ہے
قلم پر تو قدغن لگائے گئے
تخیل کا عالم تو شاداب ہے
فضا میں بھی سورج جھلستا رہا
شفق خوں چکاں زرد مہتاب ہے
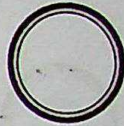
اُس زمانے کی بات مت کر لے
پھر رلانے کی بات مت کر لے
گل اگاتے ہیں پتھروں کے لوگ!
دل جلانے کی بات مت کر لے
کتنی مشکل سے زندگی آئی
آنے جانے کی بات مت کر لے
زَخم دیرینہ اور نئی کلیاں
دوستانے کی بات مت کر لے
چشم وُ چہرہ زباں وفا پرور
دل لبھانے کی بات مت کر لے
کاغذی پھول کاغذی تتلی
گُل کھلانے کی بات مت کر لے
دیکھ سائے سلگتے برسوں سے
سر چھپانے کی بات مت کر لے
اشک سہمے ہوئے سرکتے ہیں
روٹھ جانے کی بات مت کر لے
بات شیدؔا کبھی نہ مانے گا
اُس دِوانے کی بات مت کر لے
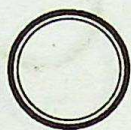
غم ماضی کی بدلی چھا رہی ہے
سکوتِ شب کا دل تڑپا رہی ہے

تڑپتی آرزوؤں کی یہ بستی
اجڑ جانے پہ کیوں پچھتا رہی ہے

یہ اپنے ادھ جلے موسم سمیٹو
عجب صورت ابھر کر آ رہی ہے

فریبِ وصل کا یہ حادثہ دیکھ
نظر قاتل کی بھی شرما رہی ہے

پنپتا ہے کہاں ماتم کا موسم
یہاں تو ہر کلی مرجھا رہی ہے

غزل میری طرح اپنی کہانی
قلم کی نوک سے بتلا رہی ہے

تو جس شیدا کا دم بھرتی تھی کل تک
وہ دیکھو اُس کی میّت جا رہی ہے
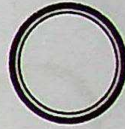
زمانے کی طرف رغبت نہیں
تمہاری یاد سے فرصت نہیں ہے

کہاں جاؤں کسے اپنی سناؤں
کہوں یا نا کہوں ہمّت نہیں ہے

سلگنے کی طبیعت راس آئی
چھلکنے اشک دوں، عادت نہیں ہے

تو آئے یا نہ آئے کیا بھروسہ
تیرا موسم سکوں فطرت نہیں ہے

گزاروں یا گزر جائے گی یوں ہی
میرے بس میں شبِ فرقت نہیں ہے

سنبھلنے کی ہو کیا امید شیدؔا ؟
سنبھلنے کی کوئی حالت نہیں ہے
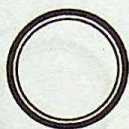
کھلی آنکھیں ہیں بیداری نہیں ہے
دوا ہے عشق ، بیماری نہیں ہے
جفاؤں سے بھرے بازار دیکھو
وفاؤں کی خریداری نہیں ہے
سرابوں میں نئی بستی بسا لو
مسافر ہوں ، سفر جاری نہیں ہے
ابھی تو غم کے افسانے بہت ہیں
ابھی تو درد کی باری نہیں ہے
میرے دامن پہ اشکوں کے گہر ہیں
میری آنکھوں میں لاچاری نہیں ہے
ہمیں نے رنگ بھرے دستِ حنا میں
ہم ہی سے ناز برداری نہیں ہے !
متاعِ دو جہاں ہے فکر محبوب
بغیر عشق سرشاری نہیں ہے
تسلی دو دلِ غمگین کو شیدا
یہ بازی کس نے بھی ہاری نہیں ہے
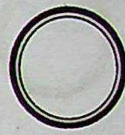
دوستوں کی دوستداری دیکھ لی
دشمنوں کی شرمساری دیکھ لی

آہ ، گلِ رُخسار بھی مرجھا گئے
آنسوؤں کی آبیاری دیکھ لی

چڑھ گیا ہے وقت پر رنگِ فریب
بِک گئی ایمانداری ، دیکھ لی

عشق کی آئینہ سازی کیا ہوئی
اِس شہر میں سنگباری دیکھ لی

لُٹ گیا سرمایۂ فصلِ بہار
موسموں کی اشکباری دیکھ لی

بھول بیٹھا اپنے درد و غم سبھی
جس نے بھی حالت ہماری دیکھ لی

زخم سی لینے دو مجھ کو دوستو
دردِ دل کی بے قراری دیکھ لی

چار سو پر کس طرح رُسوا کیا
دوستوں کی جاں نثاری دیکھ لی

شاخِ گل ، رِستی ہوئی سرگوشیاں
بلبلوں کی آہ و زاری دیکھ لی

وادیٔ کشمیر سی کوئی نہیں
ہم نے شیدا دنیا ساری دیکھ لی
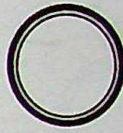
اسیرِ وقت میرا غم نہیں ہے
میرے غم کا کوئی موسم نہیں ہے
چھلک جائے تو ساون آنکھ برسے
سُلگ جائے تو برسوں نم نہیں ہے
سکوں میں ہیں فضائیں بادلوں میں
زُلف شاید ابھی برہم نہیں ہے
نہ جانے اس برس کیسی خزاں ہو
چمن والوں کو کوئی غم نہیں ہے
حنائی دست اپنا یوں نہ کھولو
موافق گردشِ عالم نہیں ہے
نیا اک درد دے کر کیا کروگی
جو اب تک مل گیا کچھ کم نہیں ہے
شبِ ظلمت کا ہوں تنہا مسافر
کہ سایہ بھی کوئی ہمدم نہیں ہے
خیال یار میں شیدا ہوا گم
درِ کعبہ پہ بھی سرخم نہیں ہے
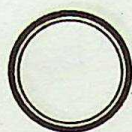
سراپا امتحاں میرے لئے ہے
جہاں ماتم کناں میرے لئے ہے
سلگتی آگ میں جلنا لکھا ہے
جُھلستا آشیاں میرے لئے ہے
ستارے چاند سورج اور موسم
زمانہ نوحہ خواں میرے لئے ہے
پھسلتی ہے زمیں پاؤں کے نیچے
گرجتا آسماں میرے لئے ہے
ہواؤں نے میری کشتی ڈبو دی
سمندر بیکراں میرے لئے ہے
وہی رانجھا وہی فرہاد و مجنوں
کہ ہر اک داستاں میرے لئے ہے
بکھر کر رہ گیا ہوں حرفِ معنی
مکاں یہ لامکاں میرے لئے ہے
خبر ہے بھی دل مضطر کو شیدا
کہ یہ دردِ جہاں میرے لئے ہے

غم دل نے سزا پائی نہیں ہے
تمہاری یاد کیوں آئی نہیں ہے
کسی کو کس طرح پہچان لوں گا
مجھے خود سے شناسائی نہیں ہے
تماشاہ ہو رہا ہے خود تماشہ
یہاں کوئی تماشائی نہیں ہے
اندھیروں میں کہاں سے روشنی ہو
اجالوں کی پذیرائی نہیں ہے
شہر بکتا ہے فٹ پاتھوں پہ اپنا
شبِ ماتم کہاں چھائی نہیں ہے
میرے اپنے بھی سائے بڑھ رہے ہیں
یہ تنہائی بھی تنہائی نہیں ہے
میرے دامن پہ سورج ڈوب جائے!
تیرے آنچل میں پُروائی نہیں ہے
نوازش ہے تیری یا رب کہ شیدا
اسیرِ غم ہے ہرجائی نہیں ہے

گم شدہ وہ کتاب مل جائے
خشک برگِ گلاب مل جائے

پھر وہی شب وہی ہے تنہائی
کچھ تو آخر جواب مل جائے

آ گریدیں شکستہ دیواریں
کوئی اپنا بھی خواب مل جائے

آہ دل جو سرک سکے آنچل
آنکھ کو انتخاب مل جائے

ہم بھی سو جائیں نیند میٹھی سی
تلخ سی کچھ شراب مل جائے

بیچ رستے میں وہ ملے توبہ
تشنگی میں سراب مل جائے

چاند اترا ہے تیرے آنگن میں
صبح تک آفتاب مل جائے

کب سے صحرا نورد ہے شیدا
اب کہاں وہ جناب مل جائے
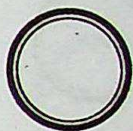
فضا رنگیں ہے محفل بھی جمی ہے
چلے آؤ کہ بس تیری کمی ہے
دلِ ویراں کا ہر گوشہ نہ جھانکو
یہاں خوابوں میں سوئی برہمی ہے
یہ شب آنکھوں سے آہستہ اتارو
ابھی پلکوں پہ تھوڑی سی نمی ہے
لہو کی سرخیاں جھولی میں بھر دو
شفق اوڑھا لباسِ ماتمی ہے
صلیبیں ہیں مسیحاؤں سے خالی
کفن کی تاک میں ہر آدمی ہے
مداوائے دل مضطر نہ پوچھو
یہ مرض عشقِ مرض دائمی ہے
ابر آلودہ موسم ہے غموں کا
تیری یادوں کی بارش کب تھمی ہے
تیری راہوں میں کب سے منتظر ہے
علی شیدا بھی بھولا آدمی ہے
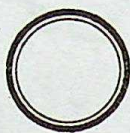
حسن لاکھوں نقاب جانے ہے
عشق کا اضطراب جانے ہے

ہر نظر میں سوال کے موسم
ہر نظر تو جواب جانے ہے

دیکھنے کا عمل نہیں ٹوٹا
ورنہ ہر شخص خواب جانے ہے

ان کی پلکوں سے پھوٹتے نشتر
دل ہی میرا عذاب جانے ہے

چاند اترا ہے تیری زلفوں میں
خوشبوؤں کے گلاب جانے ہے

اس شہر میں سبھی ہیں دیوانے
بس وہی اک خطاب جانے ہے

یوں لگے ان کی آنکھ لگتے ہی
جام پرُ از شراب جانے ہے

اپنے آنگن میں دھوپ تھی اپنی
اپنا سایہ حجاب جانے ہے

شاعروں میں ہے ایک شیدؔا جو
آنسوؤں کی کتاب جانے ہے

ہر اک ادا میں جوشِ جنوں کا چلن لگے
ہر شخص یہاں تیشہ بکف کوہکن لگے

کب ختم ہو یہ سلسلۂ پرسشِ گناہ
اس حبس کے قفس میں کہو، کیسے من لگے

پُر پیچ رہ گزر کے نشیب و فراز کا
اندازہ ٹھیک ہو اگر، صحرا چمن لگے

وہ تیرِ نظر خونِ جگر آنکھ سے ٹپکے
کچھ اہتمامِ لذتِ کام وُ دہن لگے

مانوس اتنے دشت نوردی سے ہو گئے
پاؤں کو خارزار بھی اب پھول بن لگے

یہ رات تیرے جرم سے پہلے کی ہے سزا
اس رات میرے چاند نہ تجھ کو گہن لگے

روشن چراغِ مہر و وفا کرتے جائیو
تاریک ریگ زار بھی پھر انجمن لگے

ہر شعر میرا وادئ مجنوں کا تذکرہ
شیدا کی ہر اک بات وہی مِن وَ عَن لگے

❖ ❖ ❖
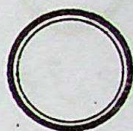
شمع تو کب کی بجھی ہے جل کے پروانے چلے
لے کے میکش ساتھ اپنے اپنے پیمانے چلے

زندگی نے موت سے کس شرط پہ سودا کیا
جانے کیسے لوگ اب تو خود ہی مرجانے چلے

رات کی تاریکیوں میں چل دیئے خانہ بدوش
صبح کے آنگن سے بھی چپ چاپ دیوانے چلے

ڈھونڈتا ہوں وقت کے ناکام لمحوں کا وجود
سوچتا ہوں درد کیا تھا ، کیا دوا لانے چلے

اُٹھ رہا ہے آج بھی صحرا کے دامن سے دھواں
ریت کے سینے پہ لکھ کے قیس افسانے چلے

اُگ رہی ہے آستینوں پہ حنا کی سرخیاں
درد کی دہلیز پہ کچھ رسم انجانے چلے

کچھ دنوں سے بولتا ہی کب ہے اپنا یہ کلیم
پھر بھی دیواروں پہ سائے لفظ لکھوانے چلے

پھر وہی سورج میرے کمرے میں آکر مر گیا
حادثوں کے بھیس میں شب خواب تڑپانے چلے

ڈوبتے تاروں نے سن لی چاند کی سرگوشیاں
زُلف کی چھاؤں میں راتوں رات ویرانے چلے

کچھ تمناؤں کے آئینے میں تب تک تھی حیات
کچھ نئے تقدیر ہیں جو آج بکھرانے چلے

قتل کی ہر شب کا محور ہے تیری زُلفِ دراز
جرم شیدا کا قلم سر کر کے بہلانے چلے

زندگی لمحہ بہ لمحہ خوشنما ہوتی گئی
شام غم کی آہ بھی بادِ صبا ہوتی گئی

درد کے آنچل میں تیرے آستاں کی خاک ہے
آنکھ کے دامن میں آکر جاں فزا ہوتی گئی

با ادب جھکتے رہے چشمِ حیا کے سامنے
یوں نمازِ عشق بھی ہم سے ادا ہوتی گئی

موسم گل اور ان کی شوخ نظروں کا کمال
آنکھ کی پیالی چھلک کر خوش ادا ہوتی گئی

ہار ہو یا جیت سہرا ان کے سر باندھا گیا
دل گنوا بیٹھے ہیں ہم وہ دلربا ہوتی گئی

غم شریکِ زندگی بس ایک تغافل سے ہوا
وہ نظر کیا تھی کہ جو اٹھ کر خطا ہوتی گئی

عمر بھر چھوٹی نہیں ہم سے جنوں کی حرکتیں
ہائے کیا لمبی میری پہلی سزا ہوتی گئی

حسن کی وہ جلوہ سامانی جو برقِ طور ہے
عشق کی بے چارگی دل کی دوا ہوتی گئی

اپنے اپنے ہی مقدر کی یہ شیداؔ بات ہے
ہم وفا کرتے رہے وہ پُر جفا ہوتی گئی
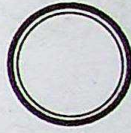
ہر چمن میں ہر شجر پر مرثیہ خوانی میری
پتّے پتّے پر لکھی ہے کس نے ویرانی میری

ٹوٹتے چہرے بھی آئینوں کے لگتے ہیں گلاب
ہائے جب اپنی نظر لگتی ہے دیوانی میری

دھوپ کے پیلے سمندر میں شفق کی جستجو
چاندنی راتوں میں ڈھونڈے گی وہ تابانی میری

جاگتے موسم کے سینے پر ہے داغوں کی بہار
آگ پلکوں پر سجائے اشک افشانی میری

دن کے ڈھلنے سے اُتر جائے گا کب شب کا خمار
کام آڑے وقت آ جائے گی نادانی میری

درد و غم سے زندگی شیدؔا ہوئی آراستہ
اشک بہنے سے ہوئی ہے آنکھ نورانی میری

بھولی ہوئی وہ یاد بھی کیا یاد آ گئی
جیسے کسی کافر کو دعا یاد آ گئی

پہلو میں جوں ہی آج یہ دل ٹوٹنے لگا
بچپن کے کھلونوں کی صدا یاد آ گئی

پہلی ہی ملاقات میں پہلا وہ حادثہ
اس حادثے کی شوخ سزا یاد آ گئی

ڈر لگ رہا تھا وحشتِ محشر کے گماں سے
دل کھِل اٹھا وہ جانِ وفا یاد آ گئی

جھکنے لگا تھا عظمتِ کعبہ کو دیکھ کر
پر اُس خمِ ابرو کی ادا یاد آ گئی

قائم ابھی اس کوچہ قاتل کی شان ہے
لائی ہوئی وہ اپنی قضا یاد آ گئی

میں اور وہی آہِ سحر دشتِ جنوں میں
بہتا ہوا اشکوں میں گیا ، یاد آ گئی

روشن رہے یہ رات چراغوں کی لو کے ساتھ
شیدا کو دردِ دل کی دوا یاد آ گئی

❖ ❖ ❖
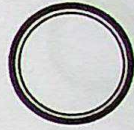
عشق با آب و تاب ہے اب بھی
یہ گناہ تو ثواب ہے اب بھی
کیا بھروسہ ہے دل کی دھڑکن پر
وقتِ ، خوفِ حساب ہے اب بھی
کھول کے دیکھ ڈائری اپنی
اس میں سوکھا گلاب ہے اب بھی
کیا ملا یوں جھٹک کے پلکوں سے
بھیگے دامن پہ خواب ہے اب بھی
جس کی خاطر قلم بھی توڑے تھے
سامنے وہ کتاب ہے اب بھی
صبح ہونے کی بات مت چھیڑو
دورِ جام و شراب ہے اب بھی
بھیگے بادل نگل گیا سورج
ریت اوڑھی سَراب ہے اب بھی
ٹمٹماتے چراغ کی لو میں
پہلے خط کا جواب ہے اب بھی
مرگِ شیدا ! خبر اُڑی کیسے ؟
وہ تو زندہ جناب ہے اب بھی
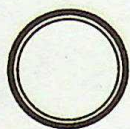
کل رات کی تنہائی پھر شام لئے آئی
اور ساتھ میں اشکوں کا انعام لئے آئی

اس بار تو ہر منظر یوں چاکِ گریباں تھا
وہ شوخ حسیں جلوہ برباِم لئے آئی

میخانۂ جنت کی مستی بھی بھلا بیٹھے
پلکوں پہ نگاہوں کے دو جام لئے آئی

ہم غرقِ تصور تھے اس عید کے روزوں میں
وہ چاند سی اک صورت برباِم لئے آئی

گو حرف سلامت ہے ایثار تکلّم کا
ہونٹوں پر نہیں اب تک اک نام لئے آئی

سو بار ہوئی دستک سو بار ہوئی آہٹ
ہر بار یہی سمجھے پیغام لئے آئی

تقدیر نہ تھی اپنی تصویر گنوا بیٹھے
تعبیر بھی خوابوں سے ناکام لئے آئی

خوابیدہ نگاہوں کی صیّاد نظر توبہ
آوارہ و شیدا کو در، دام لئے آئی
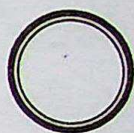
زندگی جب عذاب ہوتی ہے
موت کب دستیاب ہوتی ہے
آنکھ جب اشکبار ہوتی ہے
بات کچھ بے حساب ہوتی ہے
وہ قیامت سے بھی گئی گذری
جو حیا بے حجاب ہوتی ہے
وہ سوال خدا ہے پلکوں پہ
ہر نظر لاجواب ہوتی ہے
داغِ دل اور لہو روانی سے
آگ بھی آب آب ہوتی ہے
شہر اپنا دفن نہ ہو کل تک
کوئی شئے بے نقاب ہوتی ہے
خواب اپنے کفن لئے پھرتے
تیری شب محو خواب ہوتی ہے
یاد تیری ہو شام بوجھل ہو
چائے نمکین شراب ہوتی ہے
گرم سینے میں دوبدو دھڑکن
کوبکو برف آب ہوتی ہے

لعل احمر رخ شفق تیرا
دھوپ رنگِ گلاب ہوتی ہے
حرفِ شیدا ہے حُسن کی خوشبو
ہر غزل اک کتاب ہوتی ہے

بات پھر نکلی اسی تاثیر کی
ضرب دل پر لگ گئی شمشیر کی

تیشۂ مژدہ پہ خونِ دل بہا
یہ کہانی بھی ہے جوئے شیر کی

نخلِ گلشن ہے یہ کانٹوں کی صلیب
ہم قفس یہ بات ہے تقدیر کی

ہم رفو کرتے رہے ہیں عمر بھر
شب کے زنداں میں قبا تنویر کی

غم کے ہمراہ اشک و خوں بہتا گیا
شب کے ماتھے پہ غزل تحریر کی

بے رخی بڑھتی گئی اس کی مگر
کچھ کمی لفظوں میں تھی تاثیر کی

راستہ شاید اسی مقتل کا تھا
کہہ رہی جھنکار ہے زنجیر کی

کس کے آئینوں پہ ابھرا آفتاب
مٹ رہی ہے کیوں حنا تصویر کی
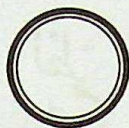
زندگی دردِ شب خوابِ پریشاں دے گئی
زلفِ برہم کی طرح یہ چاکِ داماں دے گئی

اس رِدائے خامشی میں فتنہ پروردہ نگاہ
زخمِ دل کو درد کا پرسوز ساماں دے گئی

تاک میں خوشبوے گل تھی یا وفا کی عظمتیں
بلبلِ شاخِ چمن کو خاکِ ارزاں دے گئی

اک تقاضا ہی انا کے روبرو مٹتا گیا
اک تمنا درد کی جو فرحتِ جاں دے گئی

غم کے طوفانوں سے بھی ٹوٹے نہ اپنے حوصلے
خود فریبی اپنی رسوائی کا ساماں دے گئی

دوپہر کی دھوپ میں گیسوئے جاناں کا خیال
شکریہ ان کا کرم ابرِ بہاراں دے گئی

نظم

شب کے آنچل پر سیاہی کے پگھلتے زاویے
دھوپ پر تحریر خط ، خط پر سلگتے حاشیے
رسم تو اپنے شہر کی فیض سے خالی نہیں
حسن کی مجبوریاں ہیں عشق کے کچھ حادثے
شاخ پہ چھوٹے پرندے اس تخیل کے اسیر
تھے قفس میں، کیوں ہوئے آزاد، کس کے واسطے
آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو نہ رک جائے کہیں
دامنِ حسرت میں پوشیدہ ہیں لاکھوں وسوسے
تتلیوں کے بن کے پھولوں میں وہ کانٹوں کی خلش
کھینچتی ہے میرے ویرانے میں کالے دائرے
ایک وہ جس نے مجھے بخشا ہے لافانی وجود
زندگی میں ورنہ ہوتے ہیں ہزاروں حادثے
جایئے نیلے سمندر میں تلاطم کی طرح
آیئے اور وقت کی دیوار سے ٹکرایئے
آج بھی ایسے ہی اپنی شام کچھ ڈھلتی رہی
کچھ دیئے بجھتے رہے اور کچھ دیئے جلتے رہے
رات کے پچھلے پہر ہم بھی تھے سناٹوں کے ساتھ
ہمسفر شیدا رہے تنہائیوں کے قافلے

❖ ❖ ❖

اجنبی لمحے

اجنبی لمحے سرکتے ہیں اجالوں کی طرح
مدتوں کے بعد ہوتی ہیں شعائیں ہم نشین

زندگی کچھ بھی محبت کے سوا لگتی نہیں
یہ نمازِ عشق سجدوں میں ادا ہوتی نہیں

ایک ہی آندھی بجھا کے رکھتی ہے لاکھوں چراغ
روحِ گل میں بھی اترتی ہے یہ نوکیلی چبھن

دو محبت کرنے والے جب بچھڑتے ہیں یہاں
اور جب نیلام ہوتی ہے وفا کی عظمتیں

یہ چمن لگتا ہے اپنا کرچیوں کی سرزمین
راستے کی دھول ہی میں ہو گئے آنسو دفن

❖ ❖ ❖

سی رہا ہوں پھر لہو سے سرخ آنچل کا کفن
اور تب اپنے ہی کمرے میں سمٹ جاتا ہوں میں
سازِ غم پہ درد کے اشعار ہی گاتا ہوں میں

❖ ❖ ❖

پھر نہ جانے بادلوں میں سے کہاں پھوٹی کرن
ان اندھیروں میں مگر آخر سحر ہونے لگی

یہ اجڑتا گھر گلابوں کا شہر لگنے لگا
آسمانوں سے اتر آئے فرشتے ایک دن

کھیلتے ہنستے کھلونے پالکا[1] بازار کے
مجھ کو اپنوں کی طرح وہ لے گئے جانے کہاں

چھو رہے تھے برف کے گالے ہمالہ کو جہاں
ہنس رہی تھیں سبز پریاں بادلوں کی اوٹ میں

❖ ❖ ❖

شاہراہِ زندگی پر سانس تھی ٹھہری ہوئی
سو گئی تھیں بستیوں میں اَدھ مَری خاموشیاں

وقت کے آنچل میں یادوں کی سلگتی آگ تھی
دھیمی دھیمی آنچ پہ ٹھنڈک جو پگھلاتی گئی

اجنبی لمحے مرے دامن پہ آکر سو گئے
ہم چراغوں کی نئی بستی میں پل بھر کھو گئے

---

[1] نئی دلی

تیری فطرت میں کچھ دلبری ہی نہیں
تیرے دل میں کوئی بے کلی ہی نہیں
جاں نثاروں کی خاطر ترے شہر میں
پھول خوشبو ، وفا ، دوستی ہی نہیں

جگنوؤں سے کہو شب کو روشن کریں
یہ ستارے بھلا کیا جئیں کیا مریں
یہ چراغِ سفر ہیں بجھا دو انہیں
ان چراغوں میں اب روشنی ہی نہیں

پھول چننے چلے دھول راہیں ملی
ہونٹ ہنسنے کھلے اور آہیں ملیں
اس کے آنگن میں جو پھول بن کے کھلے
میری تقدیر میں وہ کلی ہی نہیں

اٹھ کے گرتے ، مگر بن اٹھے ہی گرے
موت بھی نا ملی ، موت مانگے پھرے

موت تو موت تھی ، نا ملی نا سہی
جی رہے ہیں مگر زندگی ہی نہیں

میرے خوابوں کی بھی کوئی تعبیر ہے !
ان دعاؤں میں کیا کوئی تاثیر ہے !

سر جھکائے رہے آستاں پہ تیرے
عمر بھر اک نظر بھی ملی ہی نہیں

اشک پلکوں پہ تھے جیسے جلتے دیئے
ہر قدم تیری راہوں میں سجدے کئے

قول اپنا تو میں یوں نبھاتا رہا
تو نے توڑی قسم جیسے تھی ہی نہیں

اب دعاؤں کی کوئی ضرورت نہیں
اپنے دل میں کسی کی کدورت نہیں

لفظ کب کے ہوئے دفن سینے میں ہیں
پاس شیدا کے اب شاعری ہی نہیں

جب جب برسے ساون بادل — دل کرتا ہے ہم بھی رو لیں
بھیگ رہا ہے کوئی آنچل — دل کرتا ہے ہم بھی رو لیں
اپنا ساتھی یار نہ کوئی — اپنے دل میں پیار نہ کوئی
اپنے رستے اپنا پاگل — دل کرتا ہے ہم بھی رو لیں
ٹوٹے گھر کا چھوٹا آنگن — آنگن میں اک روٹھا بچپن
پیاری گڑیوں کا ہے مقتل — دل کرتا ہے ہم بھی رو لیں
شام سویرے ڈل کے کنارے — نام تمہارے کنکر مارے
لہروں میں اٹھتی ہے ہلچل — دل کرتا ہے ہم بھی رو لیں
چاند ستارے پاس بلائیں — چپکے چپکے لوری سنائیں
جگمگ انکھیاں مارے چنچل — دل کرتا ہے ہم بھی رو لیں
بیچ نگریا نکلے ڈولی — ہنستی گاتی سنگ ہمجولی
آنسو بہا لے جائے کاجل — دل کرتا ہے ہم بھی رو لیں
دن ڈھلتے ہی دھوپ ستائے — پیڑوں کی چھایا مل جائے
گہری نندیا سوئے جنگل — دل کرتا ہے ہم بھی رو لیں
رونے کو اک عمر پڑی ہے — غم کی یہ دنیا تو بڑی ہے
شام ہوئی ہے شیدا گھر چل — دل کرتا ہے ہم بھی رو لیں

خط لکھنا

یہ چاندنی جو ستائے تو مجھ کو خط لکھنا
سنو جو نیند نہ آئے تو مجھ کو خط لکھنا
خلوصِ دل سے دیا تھا یہ پیار کا موسم
اگر یہ راس نہ آئے تو مجھ کو خط لکھنا
فریبِ حسن کی رسوائیاں تھیں قسمت میں
زمانہ درد بڑھائے تو مجھ کو خط لکھنا
خزاں کی خشک ہوا جو گلاب چہرے سے
متاعِ حسن لٹائے تو مجھ کو خط لکھنا
اداس شام ہو تنہا ہو تم دریچے پر
ہوا چراغ بجھائے تو مجھ کو خط لکھنا
ہنسے گی شب کی وہ گہری سیاہ تنہائی
دھڑکتا وقت رلائے تو مجھ کو خط لکھنا
سیاہ شب کی وہ دوشیزگی بدن چھولے
بھٹکتا چاند بلائے تو مجھ کو خط لکھنا
کبھی خیالوں میں گم ہو کے خود کو بھولے گی
کوئی نہ تجھ کو منائے تو مجھ کو خط لکھنا
دھڑکتے دل کے تقاضوں پہ کیا بھروسہ

لہو کے اشک رلائے تو مجھ کو خط لکھنا

گلوں کے دستِ وفا میں تیری حیا باقی
حنا کا رنگ نہ بھائے تو مجھ کو خط لکھنا

خزاں کی زرد ہواؤں کو میں نے پایا ہے
بہار دل کو دکھائے تو مجھ کو خط لکھنا

ذرا سنبھل کے نبھانا فراق کا موسم
نہ پھر بھی جو نبھ جائے تو مجھ کو خط لکھنا

ترے سوا بھی ہے زندہ ابھی تلک شیدؔا
اگر یہ کوئی بتائے تو مجھ کو خط لکھنا

گیت

میرے گھر میں تم آؤ گی   خواب سا لگتا ہے
ٹوٹے دل کو بہلاؤ گی   خواب سا لگتا ہے

پلکوں پہ ہیں آنسو جیسے دیواروں پہ دیپ
کہتے کہتے کہہ پاؤ گی   خواب سا لگتا ہے

چاند ستارے سورج لکھ لے بنجاروں کے نام
میرے نام پہ تم آؤ گی   خواب سا لگتا ہے

جن آئینوں کے چہروں پہ ہیں راتوں کے پہرے
وہ تقدیریں بدلاؤ گی   خواب سا لگتا ہے

شام سویرے میرے آنگن تیری آہٹ ہو!
دستک دے کر گھبراؤ گی   خواب سا لگتا ہے

کلیوں جیسے چنچل پن سے چھیڑ لے دل کی بات
جیسے لجالو شرماؤ گی   خواب سا لگتا ہے

مل کر کھیلیں آنکھ مچولی گلیوں گلیوں پار
بچپن میرا لوٹاؤ گی   خواب سا لگتا ہے۔

چاند اتر کے چھت پہ آئے جھانکے کمرے میں

پہلو میں تم سو جاؤ گی خواب سا لگتا ہے

ہلکے ہلکے بادل لے کر برسے یہ ساون

بھیگی رت میں نہلاؤ گی خواب سا لگتا ہے

تیری نظر میں ڈوب رہا ہے میرا تن اور من

میری نظر میں چھپ جاؤ گی خواب سا لگتا ہے

سب جانے ہیں کیسے ہُوا ہے دیوانہ شیدؔا

اب کس کس کو سمجھاؤ گی خواب سا لگتا ہے

ہوائے غم

آج پھر جینے کی کوئی آرزو باقی نہیں
غم سے ہوں بوجھل سراپا جستجو باقی نہیں
اجنبی موسم میں کوئی رنگ و بو باقی نہیں
تھا تصور میں جو کوئی روبرو باقی نہیں

ایک نئے انداز سے غم کی گھٹا چھانے لگی
جانے پھر کیوں یاد تیری اس طرح آنے لگی

ہم ابھی بھولے نہ تھے ماضی کا پہلا حادثہ
منقطع ہونے کو تھا محرومیوں کا سلسلہ
ٹوٹ کر پھر سے جڑا جاتا تھا اپنا حوصلہ
لگ رہا تھا یہ کہ ہو جائے گا آساں مرحلہ

یہ ہوائے غم کہاں سے اس طرف آنے لگی
ظلمتوں کی تیرگی سے رات گھبرانے لگی

حرفِ ماضی کو کیا تھا ہم نے سینے میں دفن
آہ لب پر ہی نہ آئے کر لئے تھے وہ جتن
سامنے نظروں کے جھولے ہی نہ تیرا بانکپن
ہم تو اپنے ہی وطن میں ہو رہے تھے بے وطن

موت کی وحشت نگاہوں میں اترنے لگی
اور پھر غم کی سیاہی رات پھیلانے لگی

وہ تیرے وعدے ہی تھے جن پہ کیا تھا اعتبار
سرمئی آنکھوں پہ اپنی جان کرتے تھے نثار
ہجر میں ہر رات ہوتی تھیں نگاہیں اشکبار
اب یہ عالم ہے کہ سب کچھ ہو رہا ہے تار تار

آرزو کیسی ہے پھر جو آج تڑپانے لگی
یہ اندھیری رات میرے گھر سے کیوں جانے لگی

زندگی سے دور کچھ دن اور جینے دو مجھے
عشق کی ناکامیوں کے زخم سینے دو مجھے
آگ ہے جن میں خزاں کی وہ مہینے دو مجھے
اشک برسوں بعد آئے ہیں تو پینے دو مجھے

مدتوں کے بعد اپنی پیاس بجھ جانے لگی
ڈوبتی یہ آخری بھی سانس مر جانے لگی

یادِ ماضی عذاب ہے یارب

آج پھر آنکھوں کے یہ چشمے ابلتے ہیں لہو
آج پھر ماتم سرا ماضی ہے میرے روبرو
درد اس انداز سے پہلو بدلتا تھا نہیں
یہ دلِ نادان کبھی ایسے مچلتا تھا نہیں
کس جزیرے کا یہاں سورج بھٹکتے آ گیا
سوزشِ غم ہائے دیرینہ کو لے کر چھا گیا

ایسی مستی دے کہ اپنی رات اَپنا دن نہیں
زندگی اتنا بھی کیا تجھ سے بھلا ممکن نہیں

چہرۂ گل سے ابھرتی ہیں خزاں کی زردیاں
دھوپ کے ماتھے پہ لکھی ہیں ٹھٹھرتی سردیاں
سرد آہوں سے جگر بہتا ہے رخساروں کے بیچ
درد کے آنسو گزر جاتے ہیں انگاروں کے بیچ

ایسی مستی دے کہ اپنی رات اپنا دن نہیں
زندگی اتنا بھی کیا تجھ سے بھلا ممکن نہیں

وہ دریچے ، بلبل و مینا وہ پہروں انتظار
آہٹوں پہ دل دھڑکنا چپکے اٹھنا بار بار
چھپ گئے جگنو پلٹ کر سو گئی ہیں تتلیاں
جاگتے تاروں کے آنچل پر ابھی ہیں وہ نشاں
مجلسِ ماتم کئے آراستہ ہے لالہ زار
بھول کر بھی اب میرے آنگن نہ آئے گی بہار

ایسی مستی دے کہ اپنی راتُ ، اپنا دن نہیں
زندگی تجھ سے بھلا اتنا بھی کیا ممکن نہیں

مدتوں سے بند کمرے میں ہے بکھری داستاں
تیرے کچھ خاکے پلنگ پہ میز پہ کچھ کرچیاں
کچھ کھلونے سر چھپائے گرد کی آغوش میں
چھت کی ویرانی عیاں ہے کاغذی پمپوش میں
جیسے یخ بستہ ہوئی ہے گرمئ شامِ عروس
جیسے بنجاروں کی بستی میں سسکتا ہے خلوص

ایسی مستی دے کہ اپنی رات اپنا دن نہیں
زندگی تجھ سے بھلا اتنا بھی کیا ممکن نہیں

زندگی اپنی رہی ہے چند سانسوں کا شمار
کوئی لائے گا گُلِ سوسن سجائے گا مزار
خاک ہو جائے گا اک دن تیری یادوں کا شہر
یوں شروع ہو جائے گا میرے جنازے کا سفر
تب تلک سینے میں تیری یاد تڑپاتی رہے
آرزو میرے ہجومِ غم کو بہلاتی رہے

ایسی مستی دے کہ اپنی رات اپنا دن نہیں
زندگی تجھ سے بھلا اتنا بھی کیا ممکن نہیں

اب کے ساون میں برستی بارشیں تیزاب کی
رِس رہی ہے روشنی ہر بوند میں مہتاب کی
در پہ دستک دے رہی ہے اب بھی آہٹ کا فریب
چاندنی راتوں میں اترے ہیں ستاروں کے صلیب
دور تک پھیلی ہوئی ہیں ہجر کی پرچھائیاں
اک فسانہ بن گئی ہیں وہ مدھر شہنائیاں

ایسی مستی دے کہ اپنی رات اپنا دن نہیں
زندگی اتنا بھی کیا تجھ سے بھلا ممکن نہیں

پیڑ پہ شبنم بھری پتوں کی وہ تھالی کہاں
لالۂ و گل خون آلودہ حسیں لالی کہاں
دُھند میں لپٹا ہوا ہے ایک اور منظر آس پاس
سر بہ سجدہ جسکے آگے ہیں میرے ہوش و حواس
اس سمندر کے دہانے پر ہے وہ تربت میری
پانیوں کے آبگینے پر عبارت ہے میری

ایسی مستی دے کہ اپنی رات اپنا دن نہیں
زندگی اتنا بھی کیا تجھ سے بھلا ممکن نہیں

بند مٹھی سے چرا کے لے گیا کوئی نصیب
آج میں خود کو بھی پاتا ہوں نہیں اپنے قریب
دیکھتے ہی دیکھتے خالی ہوئی یہ انجمن
لٹ گئی فصلِ بہاراں رہ گیا ویراں چمن
میرے دامن پہ میرے اشکوں کے تارے مر گئے
آج پلکوں کے ستارے بھی کنوارے مر گئے

ایسی مستی دے کہ اپنی رات اپنا دن نہیں
زندگی اتنا بھی کیا تجھ سے بھلا ممکن نہیں

عاشق ناکام ہوں کس منہ سے کر پاؤں گلہ
میری تنہائی میری محرومیوں کا سلسلہ
توڑ کر پایا نہیں میں وقت کی زنجیر کو
موردِ الزام میں ٹھہراؤں کیوں تقدیر کو
میری خاطر اب تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں
بند کمرے کی سیاہی کے سوا کچھ بھی نہیں

ایسی مستی دے کہ اپنی رات اپنا دن نہیں
زندگی اتنا بھلا تجھ سے بھی کیا ممکن نہیں

یہ تو اشکوں کی غزل ہے سرخ افسانے نہیں
یہ دلِ ناداں کے ٹکڑے ہیں بیگانے نہیں
زُلف کی چھایا نہیں آنکھوں کے پیمانے نہیں
نرم کوئی بازوئے سیمیں بھی سرہانے نہیں
دھوپ کے صحرا میں بکھری ریت کی دیوار ہوں
یا ہوا کے دوش پہ ٹوٹا ہوا پتوار ہوں

ایسی مستی دے کہ اپنی رات اپنا دن نہیں
زندگی اتنا بھلا تجھ سے بھی کیا ممکن نہیں

سرخ جوڑے میں پگھلتے سنگ مرمر کا شباب
رات بھر جلتے رہے دستِ حنا کے گرم خواب
بھیگی پلکوں سے لبوں تک ہے چراغوں کا نزول
ایک آوارہ دعا ہوں ان سنی کیا ہو قبول
چھین لے مجھ سے میری یادداشت بھی مولا کہ اب
تجھ سے بھی ممکن نہیں شاید جو کرتا ہوں طلب

ایسی مستی دے کہ اپنی رات اپنا دن نہیں
زندگی اتنا بھلا تجھ سے بھی کیا ممکن نہیں

قیس ہو یا کوہکن پر آگہی ہوتا نہیں
عاشق ناکام کوئی فلسفی ہوتا نہیں
روشنی کے شہر سے میرا گزرنا ہے محال
میرے ماتھے سے ٹپکتا ہے محبت کا زوال
ان اندھیروں میں پڑا رہنے دو مجھ کو دوستو
بند کمرے میں ستم سہنے دو مجھ کو دوستو

ایسی مستی دے کہ اپنی رات اپنا دن نہیں
زندگی اتنا بھلا تجھ سے بھی کیا ممکن نہیں

دوستو سن لو تلاطم خیز میری داستان
کن اندھیروں میں چراغِ غم ہے میرا ضوفشاں
ہمسفر اک کارواں ہے دل کی آہوں کا دھواں
رفتہ رفتہ جاں بلب ہے لمحہ لمحہ خوں چکاں
جاگتے رہیو ستارو رات بھر میرے لئے
ان اندھیروں کو اُتارو میرے گھر میرے لئے

ایسی مستی دے کہ اپنی رات اپنا دن نہیں
زندگی اتنا بھلا تجھ سے بھی کیا ممکن نہیں

❖ ❖ ❖

اِلتجا

ذرا ٹھہرو میرے محبوب میری التجا سن لے
سلگتی راکھ کے ڈھیروں سے ماضی کو کریدیں گے
دبی یادوں کی کچھ رنگینیاں مجھ کو ضرورت ہیں
چلو کچھ دوریاں رکھ لیں مگر کچھ روبرو بیٹھو
فصیل بے بسی توڑوں ذرا دست حنا کھولو
سبیل زندگی کر لوں ذرا آنچل تو پھیلا دو
میں اپنے پیارے ماضی کا وہ رنگین شوخ موسم پھر
تجھے لوٹانے آیا ہوں

ذرا ٹھہرو میرے محبوب میری التجا سن لے
اب ان رنگین پھولوں میں سسکتی زردیاں بھر دو
سمٹ لے اپنے آنچل کا جھلستی دھوپ سے سایہ
رُلا کے خوں کے آنسو تتلیوں کو خوب نہلا دو
حرارت دو کہ کانٹوں پہ کڑکتی بجلیاں کوندیں

تمازت دو کہ نیلے گھاس میں بھی آگ لگ جائے
تھرکتی آگ سلگا دو مچلتے پیڑ کے نیچے
اور ان معصوم شاخوں کو کسی تلوار سے چھیلو
پھر ان پتوں پہ شبنم کی جگہ تیزاب بکھرا دو
جڑوں میں زہر کا رَس گھول دو، پیاسے نہ رہ جائیں
چپک دو ادھ کھلے غنچوں پہ کالے برف کے گالے
برستے بادلوں کو میرے گھر کی چھت پہ لے آؤ
اٹھالو اپنے جگنو اور بھٹکنے دو ان کیڑوں کو
بجھادو سب چراغوں کو، اندھیروں کی ضرورت ہے

★

میرے محبوب میری التجا سن لے............!
جھڑک دو چاند تاروں کو چمکتے آسمانوں سے
سیاہ راتوں میں دفنالو گزرتے کہکشاؤں کو
بھٹکنے دو میرے سورج کو راتوں کے جزیروں میں
ڈبو دو خوش ہواؤں کو سمندر کے تھپیڑوں میں
میری راتوں کو شامِ غم کا سارا جام پینے دو
مری ہر سحر کو ایسے ہی مرتے مرتے جینے دو
میرے خوابوں کو لے کر مفت میں نیلام کروادو
میری پلکوں پہ اشکوں کا تماشہ عام کروادو

★

میرے محبوب میری التجا سن لے!

بہاروں کی ہری جھولی میں بھر دو دھول کے تحفے

چناروں سے اُکھیڑو نرم سایوں کے لبادوں کو

اور اس کی ٹہنیوں پہ بھوک کی ننگی صدا لکھ دو

سُکھادو میرے گاؤں میں یہ جھرنوں کی فراوانی

نچوڑ و اپنے ہاتھوں سے ہرے کھیتوں کی شادابی

اور ان پہ برف کی تہہ دار چادر آکے پھیلاؤ

میرے کمرے میں کرنوں کی لکیریں توڑ کر ڈالو

میرے آنگن میں خالی ایک سوکھا پیڑ ہے کافی

مجھے اب تیرے موسم کی ضرورت ہی نہیں باقی

میری سانسوں کی ساری دھڑکنیں لے لو

مگر یہ درد اور رسوائیاں رکھ لے

زمانے کو ضرورت پڑ ہی جائے گی کبھی شاید

شکستہ چاہتوں کی کرچیاں آئینہ سازی کو

میں اپنے پیارے ماضی کا

وہ رنگین شوخ سا موسم تجھے لوٹانے آیا ہوں

ذرا ٹھہرو میرے محبوب میری التجا سن لے

حادثے کی نذر

دل بے چارہ
جولائی کی گرمی سے جھلستا ہوا
اپنے آنچل میں چھپی تمازت لئے
یہ سرابوں کے چشمے کہ آئینہ گاہ
ریت اور دھول میں آگ اُڑتی ہوئی
دوپہر کو قدم لڑکھڑانے لگے
اپنی منزل سے نزدیک تر
جہاں سے ماضی کے کھلونوں کی صدا
ہمسفر بنتے بنتے ٹوٹ رہی تھی

★

پھر جبیں سے پسینے کی بوندیں ٹپک کر
ایک پکی سڑک پہ پھسل گئے
اور کہکشاؤں کی طرح پھیلتے ہی گئیں
تیرے آنگن سے دہلیز تک
وہی جلتی جھلستی ہوئی پیاسی سڑک

اور وہ دہلیز، تشنہ
جہاں اپنی زندگی روز گھوما کرتی تھی
اور پھر اسی دہلیز پہ
سمٹ جاتی تھی
ٹوٹنے کا یہ ان تھک عمل
برسوں سے جاری تھا مجھے خبر نہ تھی
جہاں قدرت کی کاریگری رنگ لاتی تھی
آج پھر دار ورسن کا اہتمام ہوا
بہت مدت کے بعد..........!
نجد کی تپتی ریت میں
قیس کے لڑکھڑانے کی آہٹ دفن ہونے لگی
سال کے اسم موسم کا
یہ تاریخ ساز لمحہ سسک سسک کر
فنا ہوتا گیا
اور جولائی کے مہینے کا سورج
حادثے کی نذر ہو گیا

شام تک دھول اور دھوپ، دونوں
ایک کچی ڈگر پہ جمع ہو گئے
پھر تمدن کو ایسے نچوڑا

سب چراغوں کی لو تو بجھادی
خوشبوؤں کو تیزاب میں نہایا
عکس کے کفن میں لپیٹا
زخم کھلتے رہے خون رستا رہا
دھوپ لہواور دھول تینوں
اب کے سورج نہیں
چاند کے روپ میں ڈھل گئے
کچھ ہی لمحے کرب اور درد کے ساگر سے
شب کے پچھلے پہر کا چاند اکتا گیا
لیکن حادثے کا وہ سورج
عمر بھر اب شاید کراہتا ہی رہے
ان کی آنکھوں میں
شب کے پچھلے پہر کا
چاند دِکھتا رہا
چاند دِکھتا رہے
اور جولائی کے مہینے کا وہ سورج
حادثے کی نذر ہو گیا

دائروں کے دائرے

اور پھر ایک دن
وقت کی تیز آندھی نے
میرے تاج محل کو زمیں بوس کر دیا
اب ان ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کے ماتھے پہ
سورج کی جھلستی دھوپ
سُستاتی رہتی ہے
اور میری پرانی ڈائری
کچھ دور عنّاب کے پیڑ کے نیچے
آکاش کی بلندیوں کو ناپتے رہتے ہیں
برستے بادلوں کی رو میں
چھلکتے اشک بہتے گئے
تھرکتی بجلیوں کی پہنائیوں میں
یخ بستہ نظریں پگھلتی گئیں
احساس کی وسعتیں سمٹتے سمٹتے
اتھاہ سمندر کی لہروں میں
ایک ایک کر کے گم ہوتی گئیں مگر میں پھر بھی زندہ رہا......!

آج تک............!

اپنی پرانی ڈائری کے ساتھ

کچھ دور عنّاب کے پیڑ کے نیچے

اپنے تاج محل کے سنگِ مرمر کے ٹکڑوں کو

ملبے کے نیچے تلاشتا ہوں

پاگل دھواں

سنہرے شفق کے آئینے سے
حقیقت کے آنگن میں اتر کر
امیدوں کی چاندنی لپیٹے ہوئے
وہ زندگی کا پہلا خواب
پلکوں کی جھولی میں پہلی نیند سویا تھا
اس رات بند کمرے میں
چراغوں کے روبرو
میں اور میری شام
دیر تک باتیں کرتے رہے!

پھر موسم بدلنے میں دیر نہیں لگی
ہوا کی جنبش سے پردے سرکنے لگے
چاند یخ بستہ پہاڑوں میں ٹھٹھر گیا
چراغوں کی لو ڈوبتی گئی

آ گہی کے چوراہے سے لے کر
انا کے نیلام گھر تک
پورا راستہ سنسان ہو پڑا
پلکوں کی جھولی سے اٹھ کر
امیدوں کی چاندنی پھاڑ کر
حقیقت کے آنگن سے بدر ہوا
وہ زندگی کا پہلا خواب
دہکتے شفق کے ائینے میں جھلس گیا

اس رات بند کمرے میں
میں اور میری شام
اندھیروں میں جذب ہو گئے
صرف......!
سگریٹ کا پاگل دھواں جھوم رہا تھا۔

❖ ❖ ❖

بدلتے موسم

ہر برس کی طرح اب کے بھی
مارچ کے مہینے میں
موسم کے بدلنے کا چرچا ہے
سورج کی نیم گرم شعائیں
چھوٹے پنچھی جیسے
ہوا کے دوش پر اُڑے اُڑے
شگوفوں میں اتر رہی ہیں
میرے اندر کا موسم بھی کروٹ بدلنے لگا
کرب کی شدت رسنے کا اظہار کر رہی ہے
زخم کی آنکھ کھلنے کی تاک میں لگی ہے
نہ جانے کب
نئے موسم کے بدلنے کی خبر آئے گی
شاید اسی کے ساتھ ساتھ
پرانے موسم کا ذکر بھی لوٹ آئے گا

★

اور پھر......!
درد کے پیڑوں پہ
کرب کے شگوفوں سے
زخم کے پھول کھل اٹھیں گے

رشتہ

کسی تپتے صحرا کی جھلستی دھوپ سے
بھاگا بھاگا یہ پیاسا پنچھی
سَرابوں سے گذرتا ہوا
اُڑتے اُڑتے
میرے آنگن کے سوکھے پیڑ پہ آکر
بسیرا کرنے لگا
شاید یہ گماں ہے اسے
کہ اس چھت سے
کبھی نہ کبھی
برسات کی بوندیں
ٹپ ٹپ ٹپکنے لگیں گی

★

بے چارہ پیاسا پنچھی
کب تک آس لگائے بیٹھے گا
ساون کی بدلی آئے گی
خالی کوکھ لئے......!
ایک بوند بھی نہ جنمے گی

★

میرے آنگن کے سوکھے پیڑ سے اڑ کر
بھاگا بھاگا یہ پیاسا پنچھی
واپس لوٹ جائے گا
کسی دوسرے تپتے صحرا کی اور
سرابوں میں اُمید کا سہارا لئے
ہاں اپنے پیچھے چھوڑے گا
گھونسلے کے بیچ
ایک رشتہ سوکھے تنکوں کا

ایک یتیم لڑکی کے نام

ٹوٹتے تارے کی مانند آنکھ کا آنسو ہے یہ
برف کی ٹہنی سے لٹکی پھول کی خوشبو ہے یہ

چھین لی کس نے تمہارے ہاتھ سے رنگین حنا
کون ظالم تھا تجھے کس نے کیا بے آسرا

تیری اور میری کہانی ایک جیسی ہے مگر
تجھ کو غیروں نے دیا غم، مجھ کو اپنے سے گِلا

وقت کے سانچے میں ڈھلتی ہے بدلتی کائنات
رقص جب کرتے ہیں آئینوں میں رنگیں حادثات

ڈوبتی لہریں بتا دیتی ہیں ساحل کا پتہ
جرأتِ کردار پہ قائم ہے تعمیرِ حیات

زندگی ایسی کہانی ہے کہ جس کا ہر ورق
فطرتِ کردار کو دیتا ہے لافانی وجود

شب کی پہنائی سے ہوتا ہے طلوعِ آفتاب
اک چھک ہی توڑ دیتی ہے شبستاں کا جمود

ابرِ باراں کو جلا دیتی ہے آہِ مُرغِ دشت
آشیانے میں اتر آتی ہے سورج کی کرن

ذرے ذرے میں نمودِ زندگی کی داستاں
نور پھر ہوتا ہے آخر آندھیوں میں ضوفشاں

پھر بھلا یہ آدمی کیوں غم سے بیزاری کرے
آنسوؤں کو پونچھ ڈالو مسکرا دو جاوداں

زندگی رنگین بنا لو کہکشانوں کی طرح
تو کتابوں میں رہو گی داستانوں کی طرح

اپنا اپنا تاج محل

میرے گھر کے آنگن کے اس پار
اگر تم نے کبھی جھانکا ہو گا
ایک بڑھیا کی جھونپڑی کھڑی ہے
در و دیوار بھی ہیں
ٹوٹے پھوٹے برتن بھی ہیں
چھت پہ بوسیدہ گھاس کے تنکے
اور دروازے پہ پرانی پھٹی بوری
تم جو آؤ گے کبھی اس کے آنگن میں
وہ تمہیں دیکھ کے سینے سے لگا لے گی
اس کی آنکھوں میں جھانک کے پاؤ گے
اس کے تپتے ہوئے ماضی کے دھندلے نقوش
پھر وہ دیکھے گی ہمالہ کی فلک بوس بلندیوں کی جانب
جن کی راہوں میں بھٹک گیا ہے اس کا ساتھی
اک بھکاری تھا وہ
گھر سے نکلا تھا لوٹ آنے کا وعدہ کر کے
وہ تو آئے گا کبھی نہ کبھی
تاج محل کا نقشہ لے کر

تب تلک یہ جھونپڑی ایسی ہی رہے گی
پھر اچانک وہ گھبرا کے سہم جائے گی
اپنے ہاتھوں سے ٹٹولے گی
جھونپڑی کی سرکتی اینٹوں کو
جانے کب برسات کی چمکتی بوندیں
بہہ کے لے جائینگی اس کا یہ تاج محل

تنہا

میں اکیلا نہ تھا
اک جھمیلا تھا
رینگتا ہوا سایہ چمٹا چمٹا
سر پہ جلتا ہوا دہکتا سورج
اور نیچے سلگتی پیاسی ریت کی چادر
پھر وہ سورج ٹوٹ کر بکھرا
یا سمندر میں ڈوب گیا
یا کوئی آوارہ بادل کا ٹکڑا
نگل گیا اسے
وہ سایہ سمٹ کر فنا ہو گیا
بُجھ گیا وہ سلگتا صحرا بھی
اب تو بس تنہائیوں کی بستی ہے
اور میں
تنہا...... تنہا......!

حبسِ تخلیق کا قیدی

میں ایک سزا یافتہ مجرم ہوں
اس عدالت میں
کوئی کاغذ نہ تھا، کوئی بحث نہ تھی
ہاں اک تاریخ کا تعین تھا
دھوپ میں دھلا دھلا اندھیرا تھا
یا ستاروں کی بستی میں چراغاں
میرا کیا جرم ہے؟
یہی اک بات تھی ہر سو
اس زرد دُھند کے جزیرے میں
جہاں سے میں ابھی
سزا کاٹ کے آرہا ہوں
میں پریشان ہوں بہت
چھوٹ گیا ہوں
تخلیق کے حبس کا قیدی
میں اک سزا یافتہ مجرم ہوں
حبس تخلیق کا قیدی

اجنبی خریدار

اک ہسپتال کے کسی کونے میں
ایک اجنبی ماں
اپنے بستر پہ اپنے ماضی کو تک رہی ہے
اجنبی ماں!
تیرے اور میرے درمیاں
کوئی جانی پہچانی صورت
جن کو سناتے تھے روز ہم اپنی داستاں
جو ہمیں پیار کی دہلیز پہ لے آئی تھی
آج بھی وہ پیغام سناتی ہے
تو کسی زمانے میں میری ہمدم رہی
یوں سمجھ لو کہ خوابوں کی صنم رہی
لیکن اب ہم دو بھی اجنبی بن بیٹھے
تم نے چاہا تو وقت کو للکارا
اور قدرت سے چھیننے کی کوشش میں
خود کو بھی گنوا بیٹھی
میں تو کیا تھا

ایک آندھی چلی اور لٹ گیا

تم میں ہمت ہے تو آنسو بہاتی ہو

میں تو ایک ریت کے میداں کی طرح سلگتا ہوں

تم اندھیروں میں دِیے لئے پھرتی ہو

میں تو بس کرتا ہوں نفرت کی تلاش

تیرے ہونٹوں پہ بھی کھِلتی ہے عارضی ہنسی

میں نے وہ مصنوعی تتلی بھی جلا ڈالی ہے

تمہیں شاید گماں ہے کہ تم جیتو گی

وقت ہنستا ہے تیری اس نادانی پہ

میں نے توڑے ہیں اب تمام آئینے

جن میں چاہت کا عجیب دھوکا دکھتا تھا

اور وہ کرچیاں..........!

کوئی اجنبی خریدار آ کے لے گیا

بچ کے رہیو!

بچ کے رہیو ، دیکھ کے چلیو
تاک میں تیری موہنی صورت
مانو واسی بستی ہے

❖

پنگھٹ پنگھٹ سونا سونا
گاگر گاگر ٹوٹی ہے
شہر تو گاؤں نگل گیا

❖

دوڑ دوڑو دوڑتے رہیو
نہیں تو کچلے جاؤ گے
اِنسانوں کے شہر میں ہو

❖

برسوں بعد ہی چھلکے آنسو
برسوں بعد ہی بھیگا دامن
لگتا ہے ، دل ٹوٹ رہا ہے

❖

چاند ستارے سورج موسم
یادیں ، سپنے آنسو ، دھڑکن
تیرے بن سب بے معنی ہے

❖

آگ لگی ہے دامن دامن
سلگ رہا ہے آنچل آنچل
تنہائی نے گود لیا

❖

پلکیں بوجھل ، سانسیں بوجھل
یادوں کا ہر درپن بوجھل
موسم شاید چھوٹ رہا ہے

لین دین

وقت ہی بیت گیا کہانی کا
تیرے اس شہر کے بیچوں بیچ
اک کرائے کی دکان سے
میں نے کتنے میں خریدی تھی وہ
یہ مجھے یاد نہیں
وقت اب بھی اسی رفتار سے گزرتا ہے
تیرے اسی شہر کے اگلے موڑ پر
اِک راہ چلتے اجنبی کو
میں نے کتنے میں بیچی تھی وہ
یہ بھی اب بھول گیا ہوں
اب اسی الجھن نے الجھایا ہے مجھے
کتنے ہندسے ہیں سامنے میرے
انہیں اب کس طرح کیش بک میں اتاروں
تاکہ میرے کھاتے میں خرید و فروخت کے اندراجات
جانچ سکے نہ کوئی

ضرورت

کیا میں تم سے یہ پوچھ سکتا ہوں
میری تقدیر بدلنے والے
میں نے جو پھول تمہیں ارپن کیے تھے
تم نے انہیں کہاں مسل ڈالا
بھول ہم سے ہوئی
تم سے پیار کا رشتہ جوڑا
یہ تو معصوم ہیں
انہیں سزا کیونکر ملی
پھول پھر بھی کِھلیں گے باغوں میں
کون روکے ہے ان کو کھلنے سے
ہاں یہ ممکن ہے کہ تمہیں ضرورت نہ پڑیں
پھول تو پیار کی نشانی ہیں

لیڈر کے کنارے۔ پہلگام کی آغوش میں

غم کی پہنائیوں سے دور
درد کی کسک کی حد سے باہر
لیڈر کے کنارے
سبز درختوں کی گھنی چھاؤں تلے
پتھروں سا نیلے جسم کی چادر اوڑھے
یہ سرکتا ہوا آنچل ہے
یا لیڈر کے پانی کا نیلا دوپٹہ
جس سے دودھ کی پھسلن چھلکتی ہے
پہاڑ کی چوٹی پہ سیاہ ابر کے ٹکڑے
یا تیرے سر سے سرکتی ساڑھی
تیرے قدموں کی آہٹ پہ
دریا کی روانی جھوم رہی ہے
تیری زلف کے لہرانے سے
ہواؤں میں ساز کی سرگوشی ہے

تیرے ماتھے سے چمکتی ہوئی رعنائی
وقت کے چاند کو ماند کرتی ہے
اور سورج اپنی تمازت لے کر
تیری زلف کے سائے میں پناہ ڈھونڈھ رہا ہے
تیرے پیروں تلے یہ سبز مخمل
اپنی تقدیر پہ آج بھی نازاں ہے
تیری آنکھوں میں سمٹتی ہوئی سرمئی رنگت
نور کی گہرائی میں اترتی جاتی ہے
یہ حسیں پیکر یہ شرابور تصور تیرا
میرے خوابوں کی وہی صورت لے کر
مجھ کو ماضی کے سمندر میں ڈبو دیتا ہے
تمہیں گر یاد نہیں ہو تو کوئی بات نہیں
میں بھلا بھول بھی جاؤں تو کیسے
میں نے تو پیار کی ڈولی سجائی ہے
میں نے تو پیار کی ارتھی اٹھائی ہے
میرے ہونٹوں پہ ابھی زہر کی پیاس باقی ہے
بجھ نہ پائے گی کبھی جو شاید

یہ نالہ بھی لیدر کا
جو ہمارے بیچ بہہ رہا ہے کب سے
حسرتوں کی پر پیچ موجیں لے کر
یادوں کے پتھروں سے
اپنے شریر کا انگ انگ ٹکراتے ہوئے
لہولہاں ہے جس کا ہر پہلو
میرے دل کی طرح دھڑک رہا ہے
تو، تیری یادوں کی کسک
تو، تیرے حسن کی تازہ مہک
یہ کسی شاہکار، کسی تصور کو جنم دیتی ہے
تو اور میں، اور بیچ میں ہم دونوں کے
دریائے لیدر کی تند تیز روانی
جو بہا کر لے گئی،
ہمارے پیار بھرے ماضی کے لمحوں کو
آج میں ان کو دل میں سجائے ہوئے بیٹھا ہوں
اس گھنے جنگل کے دامن میں
سبز مخمل کی حسیں چادر پہ

اس گھنے جنگل کے دامن میں
سبز مخمل کی حسیں چادر پہ
یہ تیرا پیکرِ عکس
اُس حسیں خواب کو حقیقت دے کر
اپنی یادوں کی نئی صورت لے کر
اپنے ماضی کو دفن کر کے
مجھ سے کس بات کا بدلہ لے کر
مجھ کو ماضی کے دھندلکوں کے سمندر میں
میری برہن راتوں کی طرح بہا لے جاتا ہے
پھر وہی ماضی کا حسیں خواب کہ جس میں
تیرے آنگن کی خوشبو دامن پھیلائے
ہر مسافر کو چھاؤں تلے
رات گئے، دیر گئے، من سہلاتے ہوئے
سرخ ہونٹ کے پیالوں سے ٹپکتے
دیدوں کے جام سے قطرے پلاتی تھی
جب وقت کی رفتار
دل کی دھڑکنوں میں گم ہوتی تھی
اور زمانے کی ہر شئے
تیرے قدموں پہ سر جھکائے ہوئے
مجھ کو آکاش کی پہنائیوں میں لے جاتی تھی

آج تُو نہیں، میں نہیں
صرف ماضی کی دھندلی سی بوسیدہ
جھونپڑی ہے
جہاں کوئی دیا جلانے والا بھی نہیں
ہاں کبھی کبھی آپ کی طرح
کوئی اجنبی۔ جگنو بن کر
ان ویراں اندھیروں کو
اجالوں میں بدل دیتا ہے
اور پھر............!
وہی جھونپڑی، وہی اندھیرا
نہ کوئی سرگوشی، نہ آہٹ، نہ روشنی
چھت کے سوراخوں سے
دیواروں کی چھیدوں سے
حسرتوں کے قطرے ٹپکتے رہتے ہیں
میں اور میری خاموش نگاہوں میں
درد کی گرم ہواؤں کی بدولت
تیرا وہی عکس ابھر آتا ہے

اے شبِ نور، جامۂ سیاہ میں ملبوس
اے حسیں اجنبی کچھ دیر ٹھہر
میری نظروں سے نہ اوجھل ہونا
میں تیرا کچھ بھی نہیں
تو میری کوئی نہیں
پھر بھی یادوں کی حسیں رات
تیری زلفوں سے اتر آتی ہے
تیرے چہرے سے ماضی کی وہ کتاب
اپنے اوراق الٹ دیتی ہے
جس پہ لکھی تھی کبھی ہم نے بھی
اک محبت کی حسیں داستاں
اور جس کہانی کو
وقت نے گردِ فراق کی نذر کیا
ایک ایسی کتاب جس کا ورق ورق
وقت کی آندھی اڑا کر لے گئی
میں بھٹکتا ہوا، روتا ہوا، بلکتا ہی رہا
آج تک حسرتوں کے رستوں پہ
ڈھونڈتا ہی رہا ان کو

ایسے آنسو جن کی منزل ہی نہیں
جن کا رستہ ہی نہیں
جو کبھی رکتے ہی نہیں
اور رکیں تو رکتے ہی رہیں
جو ٹِکتے ہی رہے عیسیٰؑ کی طرح
پلکوں کی سولی پہ...........!
اے شبِ نور، جامۂ سیاہ میں ملبوس
اے حسین اجنبی کچھ دیر ٹھہر
آج یادوں کے اس عیسیٰؑ کو
نم آلود پلکوں کی سولی سے اتروا دو
ہر برس کرسمس کے موقع پر
درد کے گیت گاؤ گی...........!

''علی شیدا بنیادی طور پر رومانوی
شاعر ہے۔ اس کی شاعری محبت
اور خلوص پر مبنی ہے۔ وہ سراپا درد و سوز
اور محبت ہے۔ اس کی شاعری میں
والہانہ محبت اور اس کے ساتھ نا قابل
تنسیخ ایفائے عہد کا گہرا احساس موج
زن ہے خیالات کی دل کشی، خوبصورت
رچاو، تخیّل، زبان کی سادگی اور روانی
نمایاں خصوصیات ہیں۔ دل کی وارفتگی،
معصوم خلوص بھرا انداز، شگفتہ طرز، بے
تکلفی اور برجستگی اس پر مستزاد
ہے..........اس کا کلام صنائع اور بدائع
کے بے جا استعمال نا قابل فہم ابہام زدہ
پیچیدگی اور خواہ مخواہ کی عبارت آرائی سے
مبرّا، اور پاک ہے''۔

''علی شیدا بنیادی طور پر رومانوی شاعر ہے۔ اس کی شاعری محبت اور خلوص پر مبنی ہے۔ وہ سراپا درد و سوز اور محبت ہے۔ اس کی شاعری میں والہانہ محبت اور اس کے ساتھ نا قابل تنسیخ ایفائے عہد کا گہرا احساس موج زن ہے خیالات کی دل کشی، خوبصورت رچاو، تخیُّل، زبان کی سادگی اور روانی نمایاں خصوصیات ہیں۔ دل کی وارفتگی، معصوم خلوص بھرا انداز، شگفتہ طرز، بے تکلفی اور برجستگی اس پر مستزاد ہے............... اس کا کلام صنائع اور بدایع کے بے جا استعمال نا قابلِ فہم ابہام زدہ پیچیدگی اور خواہ مخواہ کی عبارت آرائی سے مُبرّا، اور پاک ہے''۔